بسم اللہ الرحمن الرحیم

السیرۃ النبویۃ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

(توقیتی مطالعہ: مکی دور)

دسویں قسط

پروفیسر ظفر احمد☆

عرب: وجہ تسمیہ اور جغرافیائی حیثیت

عربی زبان میں عرب اور اعراب کے الفاظ میں فصاحت و بلاغت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے اَعربَ کلامہ ای افصح کلامہ، یعنی اس نے اپنے کلام کو فصیح انداز میں (کھول کر) بیان کیا (۱) اس زبان کی فصاحت و بلاغت مشہور و معروف ہی نہیں بلکہ اہل علم کے نزدیک مسلم و معتبر بھی ہے۔ عرب کے لوگ اپنی زبان کا دیگر اقوام کی لغات سے تقابل کرتے ہوئے ان اقوام کو عجم (گونگے) قرار دیتے تھے، لہٰذا ان کا جزیرہ نما ملک عرب کے نام سے موسوم ہوا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ لفظ ''عرب'' اصل میں عربہ ہے جو سامی اقوام میں صحرا اور جنگل کے معنی میں مستعمل رہا ہے۔ جو اقوام حضرت نوح علیہ السلام کے صاحبزادے سام کی نسل سے ہیں انہیں سامی اقوام کہا جاتا ہے۔ چونکہ جزیرہ نمائے عرب کا بڑا حصہ صحرا اور بے آب و گیاہ پہاڑی سلسلوں پر مشتمل ہے لہٰذا پورے ملک کو عرب کہا جانے لگا۔

عرب کے مشرق میں خلیج عرب اور بحر عمان، مغرب میں بحر احمر اور جنوب میں بحر عرب ہے جو در اصل بحر ہند کا پھیلاؤ ہے۔ شمال میں بادیۂ شام (شام کا صحرا) اور شمالی عراق کا کچھ حصہ ہے ان میں سے بعض سرحدوں کے متعلق کچھ اختلاف بھی ہے۔ ملک گو جزیرہ نما ہے یعنی اس کے تین طرف سمندر اور ایک طرف خشکی ہے لیکن اکثر و بیشتر اسے جزیرۃ العرب سے موسوم کیا جاتا ہے یہ براعظم ایشیا کے جنوب مغرب

☆ سابق صدر شعبہ اسلامیات گورنمنٹ ایس ای کالج بھاولپور۔

میں واقع ہے اور دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ نما ہے۔ اس کا عرض تقریباً ۷۰۰ میل (۱۱۲۰ کلومیٹر) اور طول تقریباً ۱۱۰۰ میل (۱۷۶۰ کلومیٹر) ہے۔ ملک میں سب سے بڑا پہاڑی سلسلہ جبل السراۃ کا ہے جو جنوب میں یمن سے شروع ہوکر شمال میں شام تک چلا گیا ہے اس کی بلندترین چوٹی کوئی آٹھ ہزار فٹ اونچی ہے۔ اس پہاڑی سلسلے کے اطراف کے چند حصے سرسبز اور زرخیز بھی ہیں جبکہ زیادہ حصہ، بنجر اور بے آب وگیاہ ہے۔ پورے ملک میں کوئی دریا نہیں تاہم بعض پہاڑی چشمے اور کنویں موجود ہیں یہ چشمے بارش کے سبب کبھی پھیل کر جھیلوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور بالآخر صحرا میں جذب ہو جاتے ہیں۔ معدنی دولت کے اعتبار سے ملک میں سونے اور چاندی کی کانیں بہ کثرت موجود ہیں۔ دور حاضر میں معدنی تیل کے دستیاب ذخائر سے ملک کے معاشی وسائل میں قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔

جبل السراۃ نے عرب کو مشرقی اور جنوبی دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے پورا ملک چار حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ عروض، نجد، یمن، اور حجاز۔ مطالعہ سیرت میں حجاز کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ دور جاہلیت اور ظہور اسلام کے وقت حجاز کے مشہور شہر مکہ، یثرب (مدینہ) اور طائف تھے۔ عظیم تجارتی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے خطہ حجاز کو گونمایاں حیثیت حاصل تھی لیکن اس کی شہرت وعظمت کا اہم ترین سبب ہمیشہ سے مکہ کا شہر رہا ہے۔

عرب کی آب وہوا گرم خشک ہے گرمیوں میں سخت لُو چلتی ہے جسے بادِ سموم کہا جاتا ہے۔ سردیوں میں کچھ بارش ہو جاتی ہے جس سے میدانوں میں گھاس سرسبز ہو جاتی ہے اور بدو (صحرائی لوگ) ان میں اپنے اونٹ اور بھیڑ بکریاں چراتے ہیں۔ عربوں کی قمریہ شمسی تقویم میں جمادی الاولیٰ اور جمادی الاخریٰ کے مہینے عیسوی تقویم کے مہینوں جنوری اور فروری کے مقابل ہوا کرتے تھے۔ ان مہینوں میں پانی راتوں کو جم جاتا ہے جیسا کہ جمادی کے مادہ جمد سے بھی واضح ہو رہا ہے۔ عرب میں مستقل آبادیوں اور شہروں میں رہنے والے لوگ حضری اور کھلے میدانوں میں رہائش پذیر بدوی کہلاتے تھے۔ بدوی قبائل خانہ بدوش تھے وہ اپنی اور اپنے مویشیوں کی غذائی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے پانی اور چراگاہوں کی تلاش میں اپنے خیموں اور مال واسباب سمیت جابجا چکر لگاتے رہتے تھے۔ جنوبی عرب میں یمن اور حجاز میں طائف وغیرہ چند علاقے نہایت زرخیز اور سرسبز تھے۔ حضری قبائل کی مستقل آبادیاں زیادہ تر یمن میں تھیں اور حجاز میں مشہور شہر مکہ، یثرب (مدینہ) طائف، خیبر اور وادی القریٰ وغیرہ تھے۔

زرعی علاقوں میں کنویں آب پاشی کا بڑا ذریعہ تھے۔ پھلوں میں سب سے اہم پیداوار کھجور اور انگور

وغیرہ اور اناجوں میں جو اور گندم وغیرہ کی تھی جس پر زراعت پیشہ لوگوں کا انحصار تھا۔ طائف، یثرب، خیبر، اور وادی القریٰ کے لوگ زیادہ تر زراعت پیشہ تھے۔ مکہ کی زمین چونکہ زراعت کے لائق نہیں اور اسے ابو الانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بجا طور پر واد غیــــر ذی زرع یعنی نا قابل کاشت وادی کا نام دیا تھا اس لئے مکے کی آبادی کی معیشت کا انحصار زیادہ تر تجارت پر تھا۔ ان کے تجارتی قافلے یمن، شام، عراق اور حبشہ تک جاتے تھے مکہ کے بعض متموّل لوگوں کے باغات اور زرعی اراضی طائف اور اس کے گردونواح میں تھیں۔ موسم گرما میں طائف کا موسم خوشگوار ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ان لوگوں کے لئے گرمی کی شدت میں سیاحت کا مرکز بھی تھا۔ یمن میں اعلیٰ تہذیب وتمدن کی حامل حکومتیں سینکڑوں برس تک قائم رہی تھیں۔ یہاں کے باشندے تجارت وزراعت میں کافی ترقی یافتہ تھے۔ تاہم صنعت وحرفت میں عرب باقی دنیا سے عموماً پیچھے تھے۔

عرب میں طویل ریگستانی سلسلے موجود ہیں شام وعرب کا ریگستانی علاقہ بادیۂ شام یا بادیۂ عرب کہلاتا ہے۔ یمن، عمان اور یمامہ کے درمیان واقع ریگستان کو صحرائے اعظم کہا جاتا ہے۔

جزیرہ نمائے عرب کی جغرافیائی حیثیت بیرونی حملہ آوروں کے لئے شاذونادر ہی رغبت انگیز اور پُر کشش رہی ہے کیونکہ اس پر قبضہ کرنا گو مشکل نہ سہی لیکن اسے بحال رکھنا سخت دشوار تھا اس لئے جزیرۃ العرب کے وسطی علاقوں کے باشندے شروع ہی سے آزاد اور خود مختار قبائلی زندگی بسر کرتے چلے آرہے تھے۔ عربوں کے پڑوس میں ان دنوں روم وفارس کی دو نہایت طاقتور عجمی حکومتیں قائم تھیں جنہیں بجا طور پر اس دور کی عالمی قوتیں (world powers) قرار دیا جاسکتا ہے لیکن ان کا اثر جزیرۃ العرب کے سرحدی علاقوں عراق، شام اور یمن تک ہی محدود رہا۔

بیرونی طور پر جزیرہ نمائے عرب پرانی دنیا کے تمام براعظموں کے ساتھ خشکی وسمندر دونوں راستوں سے ملحق ہونیکی بنا پر ایک طرح دنیا کے لئے مرکزی حیثیت کا حامل رہا ہے۔ اس کا شمال مغربی گوشہ براعظم افریقہ، شمال مشرقی گوشہ براعظم یورپ، مشرقی گوشہ ایران و ہند، وسط ایشیا اور مشرق بعید کے ممالک سے تجارت اور دیگر روابط کا ذریعہ ہے۔

عرب اقوام

نسلی لحاظ سے عربوں کی تین اقسام ہیں: ا۔ عرب بائدہ:۔ اس میں قدیم عرب قبائل اور قومیں شامل

ہیں جو بالکل برباد اور نیست و نابود ہو گئیں یا اپنی علیحدہ شناخت ہمیشہ کے لئے کھو بیٹھیں، مثلاً عاد، ثمود، طسم، جدیس، جرہم اُولیٰ اور عمالقہ وغیرہ۔

۲۔عرب عاربہ: یہ وہ عرب اقوام ہیں جن کا سلسلہ اپنے جدّ اول قحطان سے جا ملتا ہے اس لئے انہیں قحطانی عرب کہا جاتا ہے۔ان کا مسکن جنوبی عرب یعنی یمن کا علاقہ تھا۔بنو قحطان میں سے آلِ سبا، آلِ حمیرہ اور بعد میں تبابعہ نے یمن اس اور کے نواح میں شاندار حکومتیں قائم کی تھیں۔

۳۔عرب مستعربہ: یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹوں سے بارہ قبائل وجود پذیر ہوئے مگر دو صاحبزادوں نابت اور قیدار کی اولاد کے علاوہ باقی بیٹوں کی نسلیں گم نام ہو گئیں۔ان کے حالات معلوم نہیں ہیں۔نبطیوں (نابت کی اولاد) کو شمالی حجاز میں فروغ حاصل ہوا اور یہاں انہوں نے ایک طاقتور حکومت قائم کی۔ان کی یہ حکومت بعد میں رومیوں کے ہاتھوں تباہ ہوگئی۔قیدار بن اسماعیل علیہ السلام کی نسل مکہ مکرمہ اور اس کے نواح میں ہی قیام پذیر رہی۔ان کی نسل میں ایک شخص عدنان نامی کو شہرت حاصل ہے۔بنو اسماعیل کے قبائل کو اسی عدنان کی نسبت سے عدنانی قبائل کہا جاتا ہے۔

رسول اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عدنان کی نسل سے ہیں۔عدنان کی نسل سے ربیعہ اور مُضر کے قبائل کو، شہرت حاصل ہوئی۔ربیعہ اور مُضر دونوں نزار بن مَعد بن عدنان کے بیٹے ہیں۔مُضری قبائل سے ہوازن، غطفان، تمیم، عدی اور قریش کا تعلق ہے اور ربیعہ کے قبائل میں عبدالقیس، بکر، تغلب اور حنیفہ مشہور ہوئے۔مکہ اور اس کے قرب وجوار میں یہ قبائل کثرت تعداد کی وجہ سے سما نہ سکے تو عبدالقیس نے بحرین کو، بنو حنیفہ نے یمامہ کو اور بنو ہوازن نے اوطاس کے گرد نوح کو اپنا مسکن بنالیا۔(۳)

بعض نسابین کا خیال ہے کہ قحطان بھی حضرات اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہے ان کے نزدیک قحطان کا سلسلہ نسب یہ ہے قحطان بن الہمیسع بن تیمن بن قیذر بن نبت بن اسماعیل۔

صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے ایک باب باب نسبة اليمن الىٰ اسماعيل عليه السلام کے عنوان سے باندھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ اسلم کے لوگوں کی طرف نکلے جو تیر اندازی کر رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا "اے بنی اسماعیل تم تیر اندازی کرو اور میں بنی فلاں (ذیلی قبیلے) کے ساتھ ہوں۔اس پر انہوں نے اپنے ہاتھ روک لئے۔آپ ﷺ نے پوچھا تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا جب آپ بنی فلاں کے ساتھ ہیں تو بھلا ہم تیر اندازی کیسے کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اچھا تم

تیر اندازی کرو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔ (۴)

اسلم بن افصیٰ بن حارثہ بن عمرو بن عامر بن خزاعہ ہے یعنی بنو اسلم کا قبیلہ بنو خزاعہ کی شاخ ہے اور بنو خزاعہ کا پہلا مسکن یمن تھا۔ جب وہاں بند کا سیلاب (سیل عرم) آیا تو بعض دیگر قبائل کی طرح یہ قبیلہ وہاں سے نکل آیا تھا۔ انصار مدینہ کے قبائل اوس اور خزرج بھی بنو خزاعہ سے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اے بنی اسماعیل! تیر اندازی کرو'' سے مخاطب فرما کر ان کا بنو اسماعیل سے ہونا واضح فرما دیا۔ تاہم یمنی عربوں کو قحطانی اور حجازی عربوں کو عدنانی کہا جاتا ہے۔ قحطانیوں کی دو مشہور شاخیں سبا اور حضر موت ہیں۔ قبیلہ قضاعہ کے متعلق نسابین میں اختلاف ہے، لیکن بقول جمہور ان کا تعلق عدنانی عربوں سے ہے۔ قحطان کے متعلق امام بخاریؒ نے ''باب ذکر قحطان'' کے عنوان سے باب باندھا ہے جس میں بروایت ابوہریرہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ (قبائل) قحطان سے ایک شخص ظاہر نہ ہو جو لوگوں کو اپنی لاٹھی سے ہانکے گا (یعنی اقتدار کا مالک ہوگا) اسی مضمون کی روایت امام مسلمؒ نے بھی کی ہے۔ (۵)

نسلی بنیادوں پر اجتماعی شیرازہ بندی کے اعتبار سے ترتیب نزولی میں پہلے شعوب ہوتے ہیں اس کے بعد قبائل پھر بالترتیب عمائر، بطون، افخاذ، فصائل اور عشائر ہوتے ہیں۔ شعوب شعب کی، قبائل قبیلہ کی، عمائر عُمیرہ کی، بطون بطن کی، فصائل فصیلہ کی اور عشائر عَشیرہ کی جمع ہے۔ یوں عشیرہ کسی بھی شخص کے انتہائی قریبی رشتے داروں پر مشتمل خاندان کو کہتے ہیں۔ (۶)

مکہ مکرّمہ اور اس کے متعلقات

الف: تاسیس مکہ: اس مقدس شہر کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوں رکھی کہ آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت ہاجرہؓ اور ان کے بطن سے پیدا ہونے والے نومولود اور شیر خوار حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس غیر آباد اور سنسان بیابان میں ٹھہرایا جہاں بیت اللہ یعنی کعبہ موجود ہے۔ اس جگہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قرآن کریم میں مذکور اپنے دعائیہ کلمات میں وادی غیر ذی ذرع (کھیتی کے بغیر وادی) قرار دیا تھا۔ (۷)

حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کو وہاں چھوڑ کر واپس چلے آئے۔ چند دنوں کے لئے موجود خورد ونوش کا تمام سامان ختم ہونے پر حضرت ہاجرہؓ نے اپنے بچے کے لئے پانی کی تلاش میں

دو پہاڑوں صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ دوڑ لگائی۔ اس پریشان حالی میں حضرت جبریلؑ نمودار ہوئے۔ اس فرشتے نے اپنا پر یا اپنی ایڑی اس جگہ ماری جہاں زمزم ہے اس جگہ سے پانی ابلنے لگا۔ اسے حضرت ہاجرہؓ نے اس خیال سے گھیر لیا کہ ضائع نہ جائے اسی کو زمزم کا کنواں کہا جاتا ہے۔ حضرت ہاجرہؓ نے پانی پیا اور حضرت اسماعیلؑ کو بھی پلایا۔ بعد میں یمن سے آنے والے قبیلہ جُرہم کے لوگ یہاں سے گزرے تو اس جگہ پانی موجود ہونے پر حضرت ہاجرہؓ کی اجازت سے وہیں رہائش پذیر ہو گئے۔ حضرت اسماعیلؑ بڑے ہوئے تو اسی قبیلے کے ایک معزز شخص مضاض بن عمرو کی لڑکی سے شادی کی۔ الغرض یہ غیر آباد مقام بتدریج بڑی آبادی والے شہر میں بدل گیا۔ اس کا پرانا نام بکہ تھا۔ قرآن کریم میں ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ O فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰہِیۡمَ ج وَ مَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ط وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا ط وَ مَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ O (۸)

بے شک پہلا گھر جو لوگوں (کے لئے عبادت کے لئے) مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو بکہ میں ہے، بابرکت ہے اور جہانوں (سب لوگوں) کے لئے ہدایت (کا مرکز) ہے۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں (جن میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے (یعنی وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابرہیمؑ کعبہ کی دیواروں کو چنتے تھے اور جس پر آپ کے مبارک قدموں کے نشانات ثبت ہو گئے) جو شخص اس (مبارک گھر اور اس کی حدود) میں داخل ہوا اسے امن حاصل ہوا اور لوگوں کے ذمہ اللہ کی خاطر (اس) گھر کا حج ہے جو وہاں تک جانے کی طاقت رکھتا ہو اور جو (اس حکم کی تعمیل سے) انکار کرے تو اللہ بھی اہل عالم سے بے نیاز ہے۔

بائبل کے پرانے نسخوں کے عہد نامہ قدیم میں اس شہر کا یہ پرانا نام بکہ مذکور ہے اور چاہ زمزم کا حوالہ بھی موجود ہے چنانچہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے سیرۃ النبی ﷺ میں کتاب زبور کی متعلقہ عبارت یوں لکھی ہے ''بکہ کی وادی میں گزرتے ہوئے اسے ایک کنواں بناتے، برکتوں سے مورہ کو ڈھانک لیتے قوت سے قوت تک ترقی کرتے چلے جاتے ہیں'' (۹)

اس کے بعد علامہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس عبارت میں بکہ کا جو لفظ ہے یہ وہی مکہ معظمہ ہے لیکن اگر اس لفظ کو اسم عَلَم کی بجائے مشتق قرار دیں تو اس کے معنی رونے کے ہونگے اور یہ وہی عربی لفظ ''بکاء'' ہے۔ چونکہ یہود و نصاری ہمیشہ مکہ کی قوت مٹانے کے درپے رہتے آئے اس لئے بہت سے مترجمین نے

عبارت مذکور میں بکہ کا ترجمہ ردنا کر دیا ہے لیکن ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ اس حالت میں وادی بُکاء کے کیا معنی ہونگے ؟ زبور کی عبارت مذکور کی اوپر کی آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نشید میں حضرت داؤد نے مکہ معظمہ، مروہ اور قربان گاہ اسماعیل کی نسبت اپنا شوق اور حسرت ظاہر کی ہے۔ (۱۰)

اگر بکہ کو وادی بُکاء قرار دینے پر اصرار بھی کیا جائے تو بھی اس لئے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ جب حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہؓ کو بیابان میں تنہا چھوڑا گیا تھا تو بروایت تورات حضرت ہاجرہؓ کے پاس موجود مشک کا پانی ختم ہوگیا تھا اور وہ ایک تیر کے ٹپے پر دور جا کر بیٹھ گئی تھیں اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں تب فرشتے نے ظاہر ہو کر انہیں تسلی دی اور پانی کا ایک کنواں ظاہر ہوا تھا۔ (۱۱)

اس لئے بکّہ کی اس وادی کو وادی بُکاء بھی کہا جاسکتا ہے جہاں حضرت ہاجرہؓ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھیں۔ سیاق کلام میں تورات کا اس بیابان کو بیر سبع قرار دینا دراصل تورات میں اہل کتاب کی تحریف ہے کیونکہ حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کا وادی مکّہ میں آباد ہونا طبقاتی تواتر سے پر ثابت ہے جس سے یقین بدیہی حاصل ہوتا ہے جو کسی دلیل اور ثبوت کا محتاج نہیں۔ یہاں یہ یاد رہے کہ بائبل کے پرانے عہد نامے کی پہلی پانچ کتابوں کو تورات کہا جاتا ہے اور کبھی توسُّعاً پورے عہد نامہ قدیم کو تورات کہہ دیتے ہیں۔ الغرض ہر شخص یہاں بلا تکلف اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ زبور کی مذکورہ عبارت میں بکہ سے مکہ، کنویں سے بیئر زمزم اور مُورہ سے مروہ پہاڑ مراد ہے۔ پروٹسٹنٹ چرچ کی موجودہ اردو بائبل میں زبور کی مذکورہ عبارت کو یوں کر دیا گیا ہے

وہ وادی بُکاء سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنالیتے ہیں بلکہ پہلی بارش اسے برکتوں سے معمور کر دیتی ہے اور طاقت پر طاقت پاتے ہیں۔ (۱۲)

بائبل کے متن میں اس طرح کی تحریف ناظرین کے سامنے ہے۔ اہل کتاب کی تحریف کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم میں بالکل درست پیشن گوئی کی گئی ہے۔

وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَۃٍ مِّنۡھُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡھُمۡ فَاعۡفُ عَنۡھُمۡ وَ اصۡفَحۡ ط اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ O (۱۳)

اور (ان میں سے) تھوڑے لوگوں کے سوا تو ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتا رہے گا سو تو انہیں معاف کر اور درگزر سے کام لے، بے شک اللہ نیکو کاروں کو پسند کرتا ہے۔

ہمارے پاس بائبل کا جو نسخہ ہے اس میں بھی یہی تحریف کی گئی ہے لیکن چشموں کی بجائے ایک چشمہ

(ینبوع) لکھا گیا ہے اور مورہ کا لفظ بھی موجود ہے:

یصیرونه ینبوعاً ایضاً ببرکات یغطون مُورة (۱۴)

وہ اسے ایک چشمہ بناتے ہیں نیز ان برکتوں کے ساتھ مودہ کو ڈھانپے ہوئے ہیں۔

تورات میں یہ تحریف ان کے لئے اس لئے کارآمد بنیں کیونکہ اس کنویں کا ذکر کتاب پیدائش میں بھی ہے ''پھر خدا نے اس (ہاجرہؓ) کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جا کر مشک سے پانی بھرلیا اور لڑکے کو پلایا'' (۱۰) گو اسے سیاق وسباق میں بیئر سبع کا بیابان ظاہر کیا گیا ہے جو اہل کتاب کی تحریف ہے۔

بکہ کے بعد یہ شہر مکہ کے نام سے مشہور ہوا۔ قرآن کریم میں یہ نام بھی مذکور ہے (۱۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس جگہ کے لئے یہ دعا فرمائی۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِناً وَّارْزُقْ اَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط قَالَ وَمَنْ کَفَرَ فَاُمَتِّعُهُ قَلِیْلاً ثُمَّ اَضْطَرُّهٗ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ ط وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ O وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمَاعِیْلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ O رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ ص وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ج اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُO رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیَاتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَیُزَکِّیْهِمْ ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُO (۱/۱۷)

اور جب ابراہیم نے کہا! اے میرے رب اس (جگہ) کو ایک پرامن شہر بنادے اور اس کے رہنے والوں میں سے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، پھلوں کا رزق دے (اللہ نے) فرمایا اور جو کفر کرے گا میں اسے بھی کسی قدر (دنیا کا) فائدہ پہنچاؤں گا پھر میں اسے آگ کے عذاب کی طرف کھینچ لوں گا اور وہ برا ٹھکانہ ہے اور جب ابراہیم اور اسماعیل (اللہ کے گھر کی) بنیادیں اٹھا رہے تھے تو (دعا کر رہے تھے) اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا مسلم (فرماں بردار) بنا اور ہماری اولاد میں سے (بھی) ایک امت مسلمہ اپنے لئے (پیدا فرما) اور ہمیں ہمارے لئے اپنی عبادت کا طریقہ بتا اور ہم پر رحمت سے

توجہ فرما بے شک تو رحمت سے توجہ فرمانے والا (اور) مہربان ہے۔ اے ہمارے رب! اور تو ان (لوگوں) میں انہی میں سے ایک رسول بھیج جن پر وہ تیری آیتوں کی تلاوت کرے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان (کے اخلاق) کو سنوارے بے شک تو غالب اور صاحب حکمت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مذکورہ دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا۔ مکہ مکرمہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کا اولین مسکن ہوا۔ بنو اسماعیل میں ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور آپ کی امت کو امت مسلمہ کا اصطلاحی نام مرحمت ہوا۔

مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرَاهِیْمَ ط هُوَ سَمّٰاكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ لا مِنْ قَبْلُ وَفِیْ هٰذَا (۱۷/۲)

اس نے تمہارے لئے تمہارے باپ ابراہیم کے دین کو (پسند کیا) اسی نے پہلے (یعنی پہلی کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس (کتاب) میں (بھی تمہارا وہی نام ہے)۔

کعبے کی حرمت اور اس کے فضل و شرف کی بنا پر مکہ مکرمہ بھی حُرمت والا شہر قرار پایا اسی لئے اسے البلد الحرام (حرمت والا شہر) بھی کہا جاتا ہے چونکہ یہ شہر روئے زمین کے سب لوگوں کے لئے عموماً اور قریب و جوار کے علاقوں کے لئے خصوصاً بابرکت اور ہدایت ربانی کا پرامن مرکز ہے اس لئے اسے قرآن کریم میں ام القریٰ (بستیوں کی ماں) اور البلد الامین (امن والا شہر) بھی ٹھہرایا گیا ہے۔(۱۸)

(ب) حضرت اسماعیلؑ ہی ذبیح اللہ ہیں

قرآن کریم اور بائبل دونوں سے قطعیت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو اپنے جس بیٹے کے کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا وہ صرف اور صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اہل کتاب نے تورات میں تحریف کر کے حضرت ابراہیمؑ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے اور ان کی یہ تحریف خود تورات کے مضامین سے ہی بخوبی واضح ہو رہی ہے۔ مسلمانوں میں سے بعض اہل علم نے بھی اسرائیلی روایات سے متاثر ہو کر حضرت اسحاقؑ کو ذبیح قرار دیا ہے لیکن ان کے موقف کی تائید قرآن کریم سے تو کیا ہوتی خود بائبل کے مضامین بھی بھرپور انداز سے اسے غلط ٹھہرا رہے ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ کے ذبیح ہونے کا ذکر قرآن کریم کی سورہ

صافات میں ہے۔

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِO رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَO فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍO فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰیؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ٘ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَO فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِO وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُO قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَاۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَO اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُO وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍO (۱۹)

اور ابراہیم نے کہا میں اپنے پروردگار کی طرف جا رہا ہوں وہ مجھے راستہ پر چلائے گا۔ اے میرے رب! مجھے اولاد عطا فرما جو سعادت مندوں میں سے ہو تو ہم نے اسے ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی۔ جب وہ لڑکا اس کے ساتھ دوڑ دھوپ (کی عمر) کو پہنچا تو (ابراہیم نے) کہا اے میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا، اے میرے باپ! جو حکم تجھے دیا گیا ہے اسے پورا کر تو مجھے انشاء اللہ صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔ پھر جب دونوں (باپ اور بیٹا) فرمانبردار ہوئے اور (باپ نے) اسے پیشانی کے بل (ذبح کے لئے) لٹا دیا تو ہم نے اسے پکار کر کہا، اے ابراہیم! تو نے خواب کو سچا کر دکھایا ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں بلا شبہ یہ کھلی آزمائش تھی اور ہم نے (اسماعیل کی جگہ) ایک بڑی قربانی کو اس کا فدیہ بنایا (یعنی اسماعیل کی جگہ ایک دنبہ مذبوح ہوا)۔

سورۃ صافات کی مذکورہ آیت میں بردبار لڑکے ''غلام حلیم'' سے یقیناً حضرت اسماعیلؑ ہی مراد ہیں۔ حضرت اسحاقؑ تو ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ پیدا ہونا تو ایک طرف رہا ابھی تو ان کی ولادت کی بشارت بھی حضرت ابراہیمؑ کو نہیں دی گئی تھی۔ کیونکہ اگر حضرت اسحاقؑ پیدا ہو چکے ہوتے یا ان کی ولادت کی بشارت دی جا چکی ہوتی تو حضرت ابراہیمؑ کے قلب مبارک میں یہ خیال جاگزیں ہو سکتا تھا کہ اگر بڑا بیٹا مذبوح ہو رہا ہے تو چلو چھوٹا تو موجود ہے یا موجود نہیں تو اس کی پیدائش کی بشارت تو مل ہی چکی ہے، اس صورت میں حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش اتنی سخت اور گراں نہ ہوتی حالانکہ قرآن کریم میں اسے البـــــلاء المبین کھلی آزمائش قرار دیا گیا ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ سیاق کلام میں آگے جا کر اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ

صافات میں فرمایا ہے۔

وبشَّرْنَاهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیّاً مِّنَ الصَّالِحِیْنَO(۲۰)

اور ہم نے اس (ابراہیم) کو اسحاق کی بشارت دی جو صالحین میں سے ایک نبی ہوں گے۔

یہاں واؤ عاطفہ لائی گئی ہے جو مغائرت کو ظاہر کرتی ہے کہ اس سے پہلے جس غلام حلیم کی بشارت دی جاچکی ہے، یہ بشارت اس سے بالکل الگ ہے یعنی یہ الگ الگ دو بشارتیں ہیں۔ حضرت اسحاق کو سورہ الحجر میں ''غلام علیم'' صاحب علم لڑکا قرار دے کر حضرت ابراہیم کو ان کی ولادت کی بشارت دی گئی ہے۔ حضرت اسحاق کو ''غلام حلیم'' بردبار لڑکا نہیں کہا گیا ہے کیونکہ سورہ صافات کی روشنی میں ''غلام حلیم'' حضرت اسماعیلؑ اور سورہ حجر کی روشنی میں ''غلام علیم'' حضرت اسحاق ہیں (۲۱)

الغرض سورہ صافات کے متعلقہ مضامین سے واضح ہورہا ہے کہ ذبح اسماعیلؑ کا واقعہ حضرت اسحاق کی ولادت بلکہ بشارتِ ولادت سے بھی پہلے کا ہے۔ سورہ ہود میں ہے۔

فَبَشَّرْنَاهَا بِاِسْحٰقَ لا وَمِنْ وَّرَاءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَO (۲۲)

تو ہم نے اسے (ابراہیم کی دوسری بیوی حضرت سارہؓ کو) اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔

حضرت سارہؓ اور حضرت ابراہیمؑ کو پہلے ہی سے بتادیا گیا تھا کہ حضرت اسحاق سے حضرت یعقوب پیدا ہونگے اس لئے حضرت اسحاق کو ان کے بچپن میں ذبیح اللہ قرار دینا اور یہ سمجھ لینا کہ اس سے حضرت ابراہیم کی آزمائش مقصود تھی، قطعاً لغو ٹھہرتا ہے۔ مذبوح ہونے کی صورت میں حضرت اسحاق سے حضرت یعقوبؑ کیسے پیدا ہوسکتے تھے؟ نیز سورہ صافات میں حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت دی گئی تو ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا کہ حضرت اسحاق نبی بھی ہونگے۔ اس صورت میں حضرت اسحاق کے ذبح کا حکم کیسے دیا جاسکتا تھا اور مذبوح ہونے کے بعد وہ لوگوں کے لئے اللہ کی طرف سے نبی کیسے ہوسکتے تھے؟ ان تمام امور کی تائید بائبل سے بھی ہورہی ہے کیونکہ بہ مطابق تورات اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا اکلوتا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا تھا جیسا کہ آئندہ سطور میں مناسب مقام پر اس کی وضاحت آئے گی۔ حضرت اسماعیل نے بہادری، صبروتحمل اور بردباری اپنی ماں حضرت ہاجرہؓ سے وراثت میں پائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا شماران انبیاء میں سے کیا ہے جنہیں بطور خاص صبر کے مراحل سے گزرنا پڑا۔

وَاِسْمَاعِیْلَ وَ اِدْرِیْسَ وَذَاالْکِفْلِ ط کُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِیْنَO (۲۳)

اور اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل کو (یاد کر) یہ سب صبر کرنے والوں میں سے تھے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کو سچے وعدے والا قرار دیا۔

اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا O (۲۴/۱)

بے شک وہ (اسماعیل) سچے وعدے والا تھا اور رسول (اور) نبی تھا۔

اور سورہ صافات میں حضرت اسماعیلؑ کا قول یوں بیان ہوا ہے۔

سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ O (۲۴/۲)

تو مجھے انشاءاللہ صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔

یقیناً حضرت اسحاقؑ بھی تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح صبر وشکر سمیت تمام اوصاف حمیدہ کے مالک تھے لیکن انہیں بطور خاص صابر نہیں کہا گیا لہٰذا سورہ صافات میں غلام حلیم سے مراد حضرت اسماعیلؑ ہی ہیں جبکہ حضرت اسحاقؑ تو غلام علیم ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ نے ذبح کے لئے بخوشی آمادگی ظاہر کر کے پھر اپنے والد ماجد حضرت ابراہیمؑ سے مکمل تعاون فرما کر صبر وتحمل سے کام لینے کا وعدہ بطریق احسن پورا کر کے اپنا غلام حلیم ہونا ثابت کر دکھایا۔

سورہ انعام میں ہے

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ (۲۰)

اور ہم نے اسے (یعنی ابراہیمؑ) کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے۔

یہی مضمون سورہ مریم میں بھی ہے (۲۶) اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے حضرت یعقوبؑ حسب بشارت ان کی زندگی میں ہی پیدا ہو چکے تھے۔

تورات کے مضامین سے بھی حضرت اسماعیلؑ ہی کا ذبیح اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے کہ مکہ کا پرانا نام بکہ بائبل کے پرانے عہد نامے کی کتاب زبور میں بھی مذکور ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کا ذکر کتاب پیدائش میں ہے۔

اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے اس کے لئے بیوی لی۔ (۲۶)

بائبل میں وادئ مکہ کو ہی فاران کہا گیا ہے کیونکہ حضرت اسماعیلؑ ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہؓ

اور بنو اسماعیل کا مکے میں رہنا اور پھلنا پھولنا طبقاتی تواتر سے ثابت ہے۔قرآن کریم کے اس مضمون کی بھی کہ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے حضرت یعقوبؑ ان کی زندگی میں ہی پیدا ہو چکے تھے، بائبل سے تائید ہوتی ہے۔کتاب پیدائش میں ہے کہ حضرت اسحاق کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر سو برس تھی اور اسی کتاب میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ کے پیدا ہونے پر حضرت اسحاق کی عمر ساٹھ برس تھی اور جب حضرت ابراہیمؑ فوت ہوئے تو ان کی عمر ۱۷۵ برس تھی (۲۷) اس سے پتہ چلا کہ حضرت یعقوبؑ کی ولادت کے موقع پر حضرت ابراہیمؑ زندہ تھے اور ان کی عمر ۱۶۰ برس تھی اور جب حضرت یعقوبؑ کی عمر پندرہ برس ہوئی تو حضرت ابراہیمؑ نے انتقال فرمایا۔کتاب پیدائش میں ہے

> اور میں اسے (سارہ کو) برکت دوں گا اور اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا یقیناً میں اسے برکت دوں گا کہ قومیں اس کی نسل سے ہوں گی اور عالم کے بادشاہ اس سے پیدا ہونگے۔(۲۸)

یہ ان دونوں کی بات ہے جب حضرت ابراہیم کو حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت دی گئی تھی۔ حضرت اسحاق کی مدت رضاعت ختم ہونے کے وقت بھی یہ کہا گیا تھا ’’اضحاق سے تیری نسل کا نام چلے گا‘‘ (۲۹) قرآن و بائبل دونوں سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت سنائی گئی تھی تو ساتھ یہ خبر بھی دی گئی تھی کہ حضرت اسحاقؑ صاحب اولاد ہونگے اور بائبل کی رو سے تو یہ خبر اس وقت بھی دی گئی تھی جب حضرت اسحاقؑ کا دودھ چھڑایا گیا تھا اور پھر حضرت ابراہیمؑ کی زندگی میں ہی حسب بشارت حضرت اسحاقؑ صاحب اولاد بھی ہوئے کہ ان سے حضرت یعقوبؑ پیدا ہوئے۔اب بائبل کی کتاب پیدائش ہی کا یہ دلچسپ مضمون بھی ملاحظہ ہو:۔

> ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابراہیمؑ کو آزمایا اور اسے کہا اے ابراہیمؑ! اس نے کہا میں حاضر ہوں تب اس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے اضحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا۔(۳۰)

جب حضرت ابراہیمؑ کو پہلے ہی یہ معلوم تھا کہ حضرت اسحاق صاحب اولاد ہونگے اور واقعی وہ ان کی زندگی میں صاحب اولاد ہوئے اور جب بائبل کی رو سے حضرت اسماعیلؑ بڑے بیٹے تھے اور حضرت اسحاقؑ تو چودہ سال کے بعد پیدا ہوئے کیونکہ حضرت اسماعیلؑ کی ولادت پر حضرت ابراہیمؑ کی عمر چھیاسی برس اور

حضرت اسحاقؑ کی ولادت پر سو برس تھی، تو حضرت اسماعیلؑ کی بجائے حضرت اسحاقؑ کو اکلوتا اور ذبیح اللہ قرار دینا سراسر خلاف عقل ہے اور خلاف عقل امور کو عقیدہ بنالینا سراسر مضحکہ خیز ہے۔

اگر اہل کتاب یہ دعویٰ کریں کہ حضرت اسحاق جب بالغ اور صاحب اولاد ہو گئے تھے تب انہیں ذبح کرنے کا حکم حضرت ابراہیمؑ کو دیا گیا تھا تو ان کا یہ دعویٰ بھی بائبل جھٹلا رہی ہے۔ کتاب پیدائش میں ہے:

> پھر اس نے کہا کہ تو اپنا ہاتھ لڑکے پر نہ چلا اور نہ اس سے کچھ کر کیونکہ میں اب جان گیا کہ تو خدا سے ڈرتا ہے اس لئے کہ تو نے اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے مجھ سے دریغ نہ کیا (۳۲)

اور اسی کتاب پیدائش میں بتایا گیا ہے کہ حضرت اسحاق کا نکاح اس واقعے کے بعد ہوا تھا (۳۳)۔ قرآن کریم سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ جس بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ غلام (لڑکا) تھا جو حضرت ابرہیمؑ کے ساتھ دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچ گیا تھا۔ بالغ اور صاحب اولاد شخص کو غلام (لڑکا) نہیں کہا جاتا۔ پھر بیٹے کے ساتھ بائبل میں ''اکلوتے'' کا لفظ اہل کتاب کو ہر حال میں جھٹلا رہا ہے بالفرض حضرت اسحاقؑ صاحب اولاد ہونے کے بعد بھی ذبیح ہوئے ہوں تو وہ ''اکلوتے'' کیسے ہو گئے؟ یہاں اہل کتاب کا یہ کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ چونکہ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہؓ کو گھر سے نکال دیا گیا تھا لہٰذا حضرت اسحاقؑ اکلوتے بیٹے ہوئے کیونکہ بیٹا اپنے باپ کی نظر سے دور بھی ہو تو بھی بیٹا ہی رہے گا اور اس کے ہوتے ہوئے چھوٹا بیٹا کسی طرح بھی اکلوتا نہیں ہو سکتا۔ یہ کہنا بھی معنی نہیں رکھتا کہ حضرت سارہؓ کا ایک ہی بیٹا تھا لہٰذا حضرت اسحاقؑ اکلوتے ہیں کیونکہ اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم حضرت سارہؓ کو نہیں بلکہ حضرت ابراہیمؑ کو دیا گیا تھا اور حضرت ابراہیمؑ کے اکلوتے بیٹے صرف حضرت اسماعیلؑ ہی ہیں جو حضرت اسحاقؑ کی ولادت کے موقع پر چودہ سال کے تھے۔ یعنی وہ چودہ سال تک اکلوتے بیٹے رہے اور چونکہ اکلوتے کو ذبح کرنے کا حکم ملا تھا لہٰذا ان کے ذبح کا واقعہ حضرت اسحاق کی ولادت سے پہلے ہونا تورات سے بھی ثابت ہو گیا۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ تورات میں جب حضرت اسماعیلؑ کی ولادت کی بشارت ان کی والدہ حضرت ہاجرہؓ کو دی گئی تھی تو حضرت ہاجرہؓ کو فرشتے نے ہرگز نہیں بتایا تھا کہ ان کے صرف ایک ہی بیٹا پیدا ہو گا اور یہ کہ ساری اولاد اسی بیٹے سے ہو گی۔ (۳۴) جب حضرت ابراہیمؑ کو یہ بتایا گیا تھا کہ حضرت اسماعیلؑ سے بھی ایک قوم پیدا ہو گی تو اس وقت حضرت اسحاق کی شیر خوارگی کا زمانہ ختم ہو چکا تھا

(۳۵) اگر ان کی مدتِ رضاعت دو سال فرض کی جائے تو اس وقت حضرت اسماعیلؑ سولہ سال کے تھے کیونکہ حسب تورات حضرت اسحاق کی پیدائش پر حضرت اسماعیل کی عمر چودہ سال تھی چونکہ حضرت ابراہیمؑ کو اپنا اکلوتا بیٹا ذبح کرنے کا حکم تھا لہٰذا حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کا واقعہ اس سے پہلے ہی پیش آ چکا تھا اور حضرت اسحاقؑ کی ولادت سے پہلے اکلوتے بیٹے وہی تھے۔ پس خود بائبل سے ہی بائبل میں یہ تحریف ثابت ہوگئی کہ حضرت ابراہیمؑ کو جس اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ملا تھا وہ حضرت اسحاق تھے۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت ملی گئی تھی تو حضرت ابراہیم کی عمر ننانوے برس تھی کہ اگلے سال اسی وقت معین پر اسحاق پیدا ہوں گے (۳۶) اس وقت حضرت ابراہیمؑ کو اگرچہ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ حضرت اسماعیلؑ بھی صاحبِ اولاد ہوں گے۔ (۳۷) لیکن اس وقت تو حضرت اسماعیل تیرہ برس کے ہو چکے تھے لہٰذا بائبل سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کا واقعہ حضرت اسحاق کی ولادت تو کیا بلکہ ان کی ولادت کی بشارت سے بھی پہلے پیش آ چکا تھا ورنہ جس کے صاحب اولاد ہونے کی خبر دی جا چکی ہو تو اس خبر کے بعد اسے ذبح کرنے کا حکم معقول قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش کو حقیقی آزمائش سمجھا جا سکتا ہے۔ جب حضرت اسحاق کا ذبیح اللہ ہونا خود بائبل سے خلاف عقل ثابت ہو چکا تو حضرت اسماعیلؑ کا تیرہ سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی ذبیح اللہ ہونا از خود واضح ہوگیا کیونکہ کوئی تیسرا بیٹا تو یہاں ہے ہی نہیں۔

بائبل میں اکلوتا بیٹا ذبح کرنے کے سلسلے میں جس مُوریاہ کے ملک میں جانے کا حوالہ دیا گیا ہے وہ ہمارے نزدیک مکہ مکرمہ کا مروہ پہاڑ ہے کیونکہ مکہ کی تمام پہاڑیاں اور گھاٹیاں قربانی کی جگہ ہیں قرآن کریم میں ہے:

ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِO (۳۸)

پھر (قربانی کے) ان (جانوروں) کی جگہ پرانے گھر (کعبہ) کی طرف ہے۔

هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِO

قربانی کا جانور جو کعبہ میں پہنچے۔

ان آیات سے واضح ہے کہ قربانی کی اصل جگہ کعبہ کا قرب و جوار ہے اور مروہ کعبہ کے عین مقابل ہے۔ بعد میں جب حجاج کی کثرت ہوئی تو قربانی کے مقام کی حدود کو منیٰ تک وسیع کر دیا گیا۔ چنانچہ مفسرین میں سے حضرت مجاہدؒ کا قول یہ ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی بجائے دنبہ منیٰ میں ذبح کیا گیا تھا مگر

عبید اللہ بن عمیر کے بقول یہ مقام ابراہیم پر ذبح ہوا تھا لہٰذا مقام ابراہیم بھی مروہ سے بالکل قریب ہی ہے جسے بائبل میں موریاہ کہا گیا ہے۔ (۴۰) بائبل کے عہد نامہ جدید میں ہے ''اور ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے اور موجودہ یروشلم اس کا جواب ہے'' (۴۱) یہاں حضرت ہاجرہؑ کو عرب کا کوہ سینا اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اور ان کی اولاد عرب میں آباد ہوئی۔ مکہ کے پہاڑوں کو کوہ سینا سے تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ پولس (سینٹ پال) نے کہا ہے ''اور موجودہ یروشلم اس کا جواب ہے''۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کا واقعہ مکہ مکرمہ میں مروہ پہاڑ کے نزدیک پیش آیا تھا۔

کتاب پیدائش سے ہمارا گزشتہ سطور میں دیا گیا یہ دعویٰ بھی بخوبی ثابت ہو رہا ہے کہ ولادت اسحاقؑ کی بشارت کے وقت بھی حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسماعیلؑ کے صاحب اولاد ہونے کا علم نہیں تھا۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی بشارت دی گئی تو انہوں نے خوشی کی بجائے حیرت کا اظہار یوں کیا:

> تب ابراہیمؑ سرنگوں ہوا اور ہنس کر دل میں کہنے لگا کہ کیا سو برس کے بڈھے سے کوئی بچہ ہوگا اور کیا سارہ کے جو نوے برس کی ہے اولاد ہوگی، اور ابراہیمؑ نے خدا سے کہا کہ کاش اسماعیلؑ ہی تیرے حضور جیتا رہے۔ (۴۲)

اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت اسماعیلؑ کے تیرہ سال کی عمر کو پہنچنے پر بھی حضرت ابراہیمؑ کو ہرگز علم نہ تھا کہ حضرت اسماعیلؑ جیتے رہیں گے اور یہ کہ وہ صاحب اولاد ہونگے ورنہ یہ دعا بے کار اور تحصیل حاصل ٹھہرے گی کہ کاش!! اسماعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے۔ جس بیٹے کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کو معلوم ہی نہ تھا کہ وہ جیتا بھی رہے گا یا نہیں، اسی کے ذبح کرنے کا حکم دینے سے حضرت ابراہیمؑ کی بھرپور آزمائش ہو سکتی تھی اور فی الواقع ہوئی دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت ابراہیمؑ کو اپنے بڑے بیٹے سے زیادہ محبت تھی ورنہ حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت پر حیرت کی بجائے وہ بے حد مسرت کا اظہار فرماتے نہ کہ حضرت اسماعیلؑ کے لئے درازیٔ عمر کی دعا مانگنے لگتے۔ اس وقت حضرت اسماعیلؑ محبوب بھی تھے اور اکلوتے اور پہلوٹھے بھی تھے اور بائبل کی رو سے پہلوٹھے بچے کو خصوصی مرتبہ اور مقام حاصل ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ کتاب پیدائش میں ہے:

> اور ہابیل بھی اپنی بھیڑ بکریوں کے کچھ پہلوٹھے بچوں کا اور کچھ کی چربی کا ہدیہ لایا اور خداوند نے ہابل کو اور اس کے ہدیہ کو منظور کیا۔ (۴۲)

اور کتاب استثنا میں ہے:

اگر کسی مرد کی دو بیویاں ہوں اور ایک محبوبہ اور دوسری غیر محبوبہ ہو اور محبوبہ اور غیر محبوبہ دونوں سے لڑکے ہوں اور پہلوٹھا بیٹا غیر محبوبہ سے ہو تو جب وہ اپنے بیٹوں کو اپنے مال کا وارث کرے تو وہ محبوبہ کے بیٹے کو غیر محبوبہ کے بیٹے پر جو فی الحقیقت پہلوٹھا ہے فوقیت دے کر پہلوٹھا نہ ٹھہرائے بلکہ وہ غیر محبوبہ کے بیٹے کو اپنے سب مال کا دونا حصہ دے کر اسے پہلوٹھا مانے کیونکہ وہ اس کی قوت کی ابتدا ہے اور پہلوٹھے کا حق اسی کا ہے۔ (۴۴)

کتاب گنتی میں ہے:

اس لئے کہ بنی اسرائیل کے سب پہلوٹھے کیا انسان کیا حیوان میرے ہیں۔ میں نے جس دن ملک مصر کے پہلوٹھوں کو مارا اسی دن ان کو اپنے لئے مقدس کیا (۴۰)

تورات کے مذکورہ مضامین کی رو سے انسان تو کیا جانوروں کے بھی پہلوٹھے بچے خصوصی فضیلت وامتیاز کے مالک تھے۔ اللہ کی راہ میں حضرت آدمؑ کے بیٹے ہابیل نے اپنی بھیڑ بکریوں کے پہلوٹھے بچے پیش کئے تھے۔ تورات کی رو سے حضرت ابراہیمؑ کے اکلوتے اور پہلوٹھے بیٹے حضرت اسماعیلؑ ہیں اس لئے خود تورات کے مذکورہ مضامین کی روشنی میں وہ حضرات اسماعیلؑ کو چھوڑ کر حضرت اسحاقؑ کو اکلوتا یا پہلوٹھا کیسے قرار دے سکتے تھے؟ اور قربانی بھی تو صرف پہلوٹھے کی ہی ہو سکتی تھی۔

کتاب استثناء میں ہے:

اس موقع پر خداوند نے لاوی کے قبیلے کو اس غرض سے الگ کیا کہ وہ خداوند کے عہد کے صندوق کو اٹھایا کرے اور خداوند کے حضور کھڑا ہو کر اس کی خدمت کو انجام دے اور اس کے نام سے برکت کرے اسی لئے لاوی کو کوئی حصہ یا میراث اس کے بھائیوں کے ساتھ نہیں ملی کیونکہ خداوند اس کی میراث ہے جیسا کہ خود خداوند تیرے خدا نے اس سے کہا ہے۔ (۴۶)

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ خدا کے کاموں کے لئے خدا کی نذر کر دئے جاتے تھے وہ مالی وراثت سے محروم کر دئے جاتے تھے۔ تورات کے بیان کے مطابق حضرت اسماعیلؑ کو حضرت ابراہیمؑ کی وراثت سے محروم کر کے حضرت اسحاقؑ کو وارث ٹھہرایا گیا تھا اور حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کو گھر سے خروج کے وقت صرف پانی کی ایک مَشک ہی دی گئی تھی (۴۷) اس سے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت

اسماعیلؑ کا ذبیح اللہ ٹھہرانا اور اپنے گھر کعبہ کا خادم بنانا مقصود تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو کتاب استثناء کے مذکورہ بالا مضمون کے مطابق پہلوٹھا بیٹا ہونے کی حیثیت سے تو انہیں دونا مال ملتا۔ اہل اسلام کے نزدیک پیغمبروں کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوا کرتی تو یہاں مالی وراثت سے وہ مال اور جائداد مراد نہیں جو کوئی شخص اپنے ورثاء کے لئے چھوڑ کر مر جائے چنانچہ کتاب پیدائش میں ہے:

> اور مدیان کے بیٹے عیفاہ اور عفر اور حنوک اور ابیداع اور الدوعا تھے یہ سب بنی قطورہ تھے اور ابراہیمؑ نے اپنا سب کچھ اضحاق کو دیا اور اپنی حرموں کے بیٹوں کو ابراہیمؑ نے بہت کچھ انعام دے کر اپنے جیتے جی ان کو اپنے بیٹے اضحاق سے مشرق کی طرف یعنی مشرق کے ملک میں بھیج دیا۔ (۴۸)

تورات کی مذکورہ عبارت میں ''جیتے جی'' کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے غیر منقولہ جائداد اپنی زندگی میں ہی حضرت اسحاق کو منتقل کر دی تھی۔ جبکہ منقولہ جائداد میں سے اپنی تیسری بیوی قطورہ سے ہونے والی اولاد بنو قطورہ کو انعام دے کر رخصت کر دیا مگر حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہؓ کو کچھ نہیں دیا گیا۔ پس تورات کی رو سے بھی ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ ہی ہوئے جو اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کی مالی وراثت سے محروم، پہلوٹھے، اکلوتے اور محبوب بیٹے تھے جو مکہ میں بیت اللہ (کعبہ) کے اولین سرپرست اور خدا کے خادم تھے۔ تورات کتاب قضاۃ میں ہے:

> کیونکہ دیکھ تو حاملہ ہوگی اور تیرا بیٹا ہوگا اس کے سر پر کبھی استرہ نہ پھیرنا اس لئے کہ وہ لڑکا پیٹ ہی سے خدا کا نذیر ہوگا۔ (۴۹)

جس خاتون کو اس لڑکے کی بشارت دی جا رہی ہے اس کا نام اسی کتاب کے سیاق کلام میں منوحہ بتایا گیا ہے جو بانجھ تھی پس اسے یہ پہلوٹھے بیٹے کی بشارت ملی تھی جو بموجب تورات خدا کا خادم ہونے کا مجاز ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ حضرت اسماعیلؑ بھی خدا کے گھر کعبہ کے خادم ہوئے اس لئے مناسک حج اور عمرہ میں احرام باندھنے کے ساتھ بال نہیں کٹائے جاتے بلکہ احرام کھولنے پر بال کٹوائے جاتے ہیں جسے تقصیر کہا جاتا ہے یا استرا پھرایا جاتا ہے جسے تحلیق کہا جاتا ہے اور تقصیر سے تحلیق افضل ہے۔ تورات کی کتاب گنتی میں ہے:۔

> پھر وہ نذیر خیمہ اجتماع کے دروازہ پر اپنی نذرات کے بال منڈوائے ......اور اس مینڈھے کو بے خمیری روٹیوں کی ٹوکری کے ساتھ خداوند کے حضور سلامتی کی قربانی کے طور پر

گزرانے اور کاہن اس کی نذر کی قربانی اور اس کا تاوان بھی چڑھائے۔(۵۰)

اور پہلے مذکور ہو چکا کہ قربانی پہلوٹھے بچے کی ہوتی ہے تو یہ سب امور بھی ظاہر کر رہے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے اکلوتے اور پہلوٹھے بیٹے حضرت اسماعیلؑ ہی ذبیح اللہ ہیں جن کی قربانی کی یاد میں حجاج کرام عیدالاضحیٰ کے دن حج میں قربانی کرتے اور اپنے سر کے بال منڈواتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا تو جواب میں حضرت ابراہیمؑ نے بہ مطابق تورات عرض کیا تھا ''میں حاضر ہوں''(۵۱) حج اور عمرے میں تلبیہ کے کلمات میں حضرت ابراہیمؑ کی اسی سنت کی پیروی میں مسلمان لبیک (میں بار بار حاضر ہوں) کے کلمات دہراتے ہیں۔

مسلمانوں میں سے جن حضرات نے حضرت اسحاقؑ کو ذبیح اللہ قرار دیا ہے ان کی ایک رکیک تاویل یہ ہے کہ سورہ صافات میں جس غلام حلیم کی حضرت ابراہیمؑ کو بشارت دی گئی ہے، ان کا وہاں نام مذکور نہیں ہے اس لئے ذبح کے قصے کی بعد والی آیت:

وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَO

میں اسی غلام حلیم کا نام اسحاق بتایا گیا ہے اور یہ بقول ان کے حضرت اسحاق کے ذبیح ہونے کے بعد ان کی نبوت کی بشارت ہے ہر عقل سلیم رکھنے والا شخص اس نام نہاد استدلال کے ضعف کو سمجھ سکتا ہے۔ ذبح کا پورا واقعہ بیان کر کے بعد میں واؤ عاطفہ لا کر حضرت اسحاقؑ کی بشارت دینے سے صاف واضح ہے کہ اس بشارت کا پہلی بشارت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ دو الگ الگ بشارات ہیں۔ واؤ عاطفہ ہی اس مغائرت کو ثابت کر رہی ہے۔ اگر غلام حلیم سے حضرت اسحاقؑ مراد ہوتے تو قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور سیاق کلام کا تقاضا یہ تھا کہ غلام حلیم کی بشارت کے ساتھ ہی حضرت اسحاق کا نام مذکور ہوتا اور اگر ذبیح ہونے کے بعد ان کی نبوت کی بشارت دینا مقصود تھا تو اس کا مناسب مقام ذبح کی متعلقہ آیات میں سے آیت اِنَّ ھٰذا لھو البلاء المبین کے فوراً بعد یوں ہوتا کہ اب ہم تجھے اس اسحاق کے نبی ہونے کی بشارت دیتے ہیں۔ حضرت اسحاق کی بشارت والی مذکورہ آیت کو ولادت کے بعد نبوت دیئے جانے پر محمول کرنے کے بجائے اسے صرف بشارت نبوت پر اور وہ بھی ''ذبح کے بعد'' کی قید سے مقید کر کے محمول کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ اور یہ دعویٰ کرنا کہ حضرت اسحاق کی بشارت ولادت غلام حلیم والی بشارت ہے، تب درست ہوتا جب یہ ثابت کیا جا سکتا کہ وہاں غلام حلیم سے حضرت اسحاق مراد ہیں۔ اگرچہ غلام حلیم والی بشارت میں حضرت اسماعیلؑ کے نام کی صراحت نہیں لیکن نہایت قوی قرائن اور دلائل کی بنا

پر اسے یقینی طور پر معلوم کر لینا قطعاً مشکل نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات صراحۃ النص کی بجائے اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص سے جو مسائل اور امور قرآن کریم سے ثابت ہر ں تو ان کا بھی صحیح ہونا دینی و عقلی مسلمات میں شامل ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَO (۵۲)

اور ہم نے تیری طرف نصیحت (بصورت قرآن) اتاری تا کہ تو لوگوں کو خوب کھول کر بتائے جو ان کی طرف اتارا گیا اور تا کہ وہ لوگ (خود بھی) خوب غور وفکر سے کام لیں۔

دیکھئے یہاں **لعلهم يتفكرون** سے پہلے واؤ عاطفہ لائی گئی ہے کیونکہ قرآن کریم کے جس مضمون کی تبیین (کھلی وضاحت) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہو جائے تو اس میں تدبر وتفکر کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ یہاں واؤ عاطفہ لا کر یہ واضح کیا گیا ہے کہ جن امور کی کھلی وضاحت نہیں ہوئی تو ان میں متعلقہ اہل علم حضرات تدبر وتفکر سے کام لیں گے۔ بالفاظ دیگر روایت اور درایت دونوں کو ہم آہنگ کریں گے۔ اس غور وفکر سے جو باتیں معلوم ہوں گی ان میں سے بعض یا سب باتوں کا صحیح ہونا یقینی وقطعی بھی ہوسکتا ہے۔ مثلاً ماں باپ کے متعلق ارشاد ہے:

وَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا O (۵۳)

اور تو انہیں اُف تک بھی نہ کہہ اور نہ ہی انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر۔

غور کرنے سے معلوم ہوا کہ جب والدین کو اُف تک کہنے اور ڈانٹنے کی اجازت نہیں تو انہیں زدو کوب کرنے کی گنجائش کہاں ہوسکتی ہے؟۔ اسی طرح جو حضرات حضرت اسحاقؑ کو ذبیح اللہ قرار دیتے ہیں، وہ اور نہیں تو صرف ''البلاء المبین'' (کھلی آزمائش) کے کلمات پر ہی غور کر لیتے۔ حضرت اسماعیلؑ کے ہوتے ہوئے حضرت اسحاقؑ کے ذبح کرنے کا حکم حضرت ابراہیمؑ کے لئے بہت بڑی آزمائش کیسے ہوسکتا تھا؟۔ ایک بیٹا ذبح بھی ہوجاتا تو دوسرا تو موجود تھا ہی اس لئے اسے آزمائش (البلاء) تو کہا جاسکتا تھا لیکن اسے بہت بڑی اور کھلی آزمائش (البلاء المبین) کسی طرح بھی نہیں کہا جاسکتا بلکہ حضرت اسحاقؑ کا موجود ہونا تو درکنار اگر حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کے حکم کے وقت حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی بشارت ہی مل چکی ہوتی تو بھی آزمائش، کھلی اور بہت بڑی آزمائش ہرگز نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ صافات کی متعلقہ آیات میں اگر حضرت اسماعیلؑ کا نام نہیں لیا ہے تو اس سے اہل علم کو تدبر وتفکر کا موقع ملا جس سے نہ صرف یہ معلوم ہوگیا کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہی ہوسکتے ہیں بلکہ جب اس تدبر وفکر کے دائرے

کو وسیع کیا گیا تو یہود و نصاریٰ کی تحریف و تصحیف کا بھی بخوبی اندازہ ہو گیا اور قرآن کریم میں تورات و انجیل کے محرف ہونے کی خبروں کی صداقت کو بھی پرکھنے کا موقع مل گیا۔

سورہ ہود میں حضرت سارہؑ کو بشارت دی گئی:

فَبَشَّرْنَاهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَاءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ O (۵۴)

اور ہم نے اس (سارہ) کو اسحاق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی بشارت دی۔

یہاں بعض لوگوں مثلاً سُہیلیؒ نے یہ اشکال پیش کیا ہے کہ اگر آیت مذکورہ کو ایک ہی جملہ قرار دے کر یعقوبؑ کو اسحاقؑ کے ساتھ جوڑ کر یہ کہا جائے کہ حضرت سارہؑ کو دونوں کی ولادت کی بشارت دی گئی تھی تو نحوی قواعد کے مطابق ''یعقوب'' کے ساتھ حرف جار ''با'' کو ہونا چاہئے تھا۔ ان کے خیال میں ومن وراء اسحاق سے آگے تک علیحدہ جملہ ہے اور تقدیر کلام یوں ہے ووھبنا لاسحاق یعقوب کہ ہم نے اسحاق کو یعقوب عطا کیا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے سہیلیؒ کے مذکورہ استدلال کو محل نظر قرار دیا ہے (۵۵)۔ ہم کہتے ہیں کہ بشارت کی اصل مخاطب تو حضرت سارہؑ ہیں دوسروں تک تو اس بشارت کی خبر پہنچائی جا رہی ہے۔ سہیلیؒ کے قول کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہؑ کو ولادت اسحاقؑ کی بشارت کے ساتھ ہی ایک ہی وقت ایک ہی مرحلے اور ایک ہی جملے میں اسحاقؑ کو بعد میں یعقوبؑ عطا کرنے کی خبر بھی سنا دی۔ کسی نعمت کے عطا کرنے سے پہلے اس کے عطا کرنے کی خبر بھی دراصل بشارت ہی ہے۔ جب حضرت سارہؑ اور حضرت ابراہیمؑ دونوں کو یہ خبر مل گئی کہ حضرت اسحاقؑ بعد میں صاحب اولاد بھی ہوں گے تو یہ استدلال اپنی جگہ پر بالکل درست رہا کہ نہ تو حضرت اسحاقؑ ذبیح اللہ ہو سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں ذبیح اللہ قرار دینے سے یہ کہنا درست ہوگا کہ ذبح کے اس قصے میں حضرت ابراہیمؑ کی نہایت ہی سخت اور کڑی آزمائش ہوئی۔

حضرت اسماعیلؑ کی جگہ جو مینڈھا ذبح کیا گیا تھا اس کے سینگ خانہ کعبہ میں معلق چلے آ رہے تھے اور یہ بات لوگوں میں ہمیشہ سے مشہور و معروف تھی۔ حجاج بن یوسف ثقفی نے جب مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا محاصرہ کیا تو حالت جنگ میں خانہ کعبہ میں آگ لگنے سے دوسرے نقصانات کے علاوہ یہ سینگ بھی جل گئے۔ حضرت اسحاقؑ کو ذبیح اللہ قرار دینے والوں کی یہاں نہایت رکیک تاویل یہ ہے کہ ممکن ہے حضرت اسحاقؑ کے ذبح کا واقعہ مکہ یا منیٰ میں پیش آیا ہو لیکن چونکہ حضرت اسحاقؑ کا کسی بھی روایت سے مکہ میں آنا ثابت ہی نہیں تو یہ کہا گیا کہ ممکن ہے کہ ذبح کا مقام تو شام ہی ہو لیکن یہ سینگ وہاں سے کعبے میں

پہنچائے گئے ہوں۔ یہاں ''ممکن ہے، جائز ہے'' کی موہوم بنیاد پر قائم نام نہاد استدلال تب ہی قابل قبول ہوسکتا ہے کہ اس کے حق میں قوی قرینہ یا دلیل موجود ہو کیونکہ صرف مفروضہ امکان سے کسی چیز کا حقیقی وجود ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ ہم بھی جواباً کہتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ذبیح اللہ تو اسرائیل (یعقوبؑ) کے والد حضرت اسحاقؑ ہوں اور مذبوحہ مینڈھے کے سینگوں جیسے تبرکات کے محافظ و امین بنو اسرائیل کے بجائے بنو اسماعیل ہوں؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ ذبیح اللہ تو بنو اسرائیل کے جدّ امجد ہوں اور قربانی کی یادگار رسم ہزارہا سال سے بنو اسماعیل کے ہاں چلی آرہی ہو؟

گڈ نیوز بائبل کے آخر میں ''آؤٹ لائن چارٹ آف بائبل ہسٹری'' کے عنوان سے جو توفیقی جدول دی گئی ہے اس میں حضرت ابراہیمؑ کی فلسطین میں آمد کا زمانہ ۱۹۰۰ قبل مسیح ظاہر کیا گیا ہے حضرت ابراہیمؑ کی عمر اس وقت ۷۵ برس تھی اور حضرت ہاجرہؑ کا بیت اللہ (کعبہ) کے قریب قیام پذیر ہونے کا تخمینی سال ۱۸۸۹ قبل مسیح ۲۵۸۸ قبل ہجرت ہوا۔ اس قت سے لے کر دور حاضر تک عیسوی سال تقریبا ۳۹۰۰ اور قمری سال تقریبا چار ہزار بیس ہوتے ہیں۔ طبقاتی اور عملی تواتر سے یہ ثابت ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کے ذبیح اللہ ہونے کی یاد میں بنو اسماعیل میں خصوصاً اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد پوری امت مسلمہ میں عموماً ہر سال دس ذی الحجہ قمری کو قربانی ہوتی چلی آرہی ہے۔ اگر ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ کی بجائے حضرت اسحاقؑ ہوتے تو قربانی کی یہ رسم اور طویل یادگار بنو اسرائیل میں رائج ہوتی نہ کہ بنو اسماعیل اس پر عمل پیرا ہوتے۔ طبقاتی اور عملی تواتر سے حاصل ہونے والے یقین کے مقابلے میں ''ممکن ہے'' کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

حضرت اسماعیلؑ کے ذبیح ہونے کے حق میں جو اخبارِ آحاد موجود ہیں، بالفرض سند کے اعتبار سے ضعیف بھی ہوں بلکہ راوی فاسق بھی ہوں تو بھی ایسی روایات جو طبقاتی تواتر اور قرآن کریم کے یقینی مدلول سے ہم آہنگ ہوں تو ان روایات کا متن صحیح اور محفوظ نہ سہی، لیکن ان کے مفہوم و مدلول کو درست قرار دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ہمیں یہ تعلیم نہیں دی گئی کہ فاسق کی ہر خبر کی ہر حال میں تردید کردی جائے بلکہ حسب ضرورت خبر کے صحیح یا غلط ہونیکی تحقیق کرنی چاہئے (۵۷) اس کے برعکس کتاب اللہ کی قطعیات اور طبقاتی تواتر کے خلاف کوئی روایت باعتبار سند بظاہر کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو، قبول نہیں کی جائے گی اور ایسی خبر و روایت کو معلول قرار دیا جائے گا، کیونکہ اخبار آحاد ظن کا فائدہ دیتی ہیں۔ ظن کا یقین سے ایسا تعارض ہو کہ اسے رفع نہ کیا جاسکے تو یقین کو ہی قبول کیا جائے گا۔ لہٰذا حضرت اسحاقؑ کے ذبیح اللہ

ہونے کی تمام روایات غیر معتبر ہیں اور حُسن اتفاق سے باعتبار سند کے بھی کوئی روایت قوی نہیں ہے۔ کعب احبارؒ اور دیگر وہ حضرات جنہوں نے یہودیت سے اسلام قبول کیا تھا اسرائیلی روایات کو بیان کیا کرتے تھے۔ لوگوں میں رطبؔ و یابس ہر طرح کی روایات پھیل گئیں اور بعض ایسی روایات کو صحابہ کرامؓ کی طرف اس خیال سے غلط منسوب کر دیا گیا کہ وہ انہیں صحیح سمجھتے تھے جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ وغیرہ کی جانب اس سلسلے میں متضاد روایات منسوب کی گئی ہیں چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

ولکن الصحیح منه (ابن عباس) وعن اکثر هؤلاء انه اسماعیل (۵۸)

لیکن ان (حضرت ابن عباسؓ) سے اور مذکورہ بالا اکثر حضرات سے (جن کی طرف حضرت اسحاقؑ کے ذبیح اللہ ہونے کی خبریں غلط منسوب کی گئی ہیں) صحیح طور پر یہی ثابت ہے کہ وہ (ذبیح) حضرت اسماعیلؑ تھے۔

حضرت اسماعیلؑ کے ذبیح اللہ ہونے کے متعلق آثار و روایات کی تعداد ان روایات سے زیادہ ہے جن میں حضرت اسحاق کو ذبیح قرار دیا گیا ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ کی تفسیر کبیر میں ہے کہ اصمعی نے ابو عمرو بن العلاء سے پوچھا کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ ہیں یا حضرت اسحاقؑ؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ تمہاری عقل کہاں گئی؟ حضرت اسحاقؑ کب مکہ تشریف لائے تھے؟ قربانی کی جگہ تو مکہ یا اس کے قرب و جوار میں ہے (۵۹) صحابہ کرامؓ عقل مند تھے وہ اسرائیلیات کو بالفرض بیان بھی کریں تو اس سے یہ سمجھ لینا قطعاً غلط ہوگا کہ وہ ایسی ہر طرح کی روایات کو درست بھی سمجھتے تھے۔ بعد میں جن اہل علم حضرات نے حضرت اسحاقؑ کے ذبیح ہونے کی روایات کو صحیح سمجھ لیا وہ سخت غلطی پر ہیں۔ قرآن کریم کی متعلقہ آیات ہرگز ان کی تائید نہیں کرتیں اور یہ حضرات تورات کے متضاد بیانات پر صحیح غور و فکر کر کے تورات کا محرف ہونا بھی معلوم نہ کر سکے۔ تاہم ان حضرات کا مقصد حضرت اسماعیلؑ کی (معاذ اللہ) توہین نہیں ہے جبکہ اہل کتاب کا حضرت اسحاقؑ کو ناحق ذبیح قرار دینے کا سبب بنو اسماعیل سے حسد ہے۔ مسلمانوں میں سے جن حضرات نے حضرت اسحاقؑ کو ذبیح اللہ قرار دیا ہے اس سے اہل کتاب ہم پر حجت اس لئے قائم نہیں کر سکتے کہ وہ اصولاً اس بات کے پابند ہیں کہ وہ تورات سے حضرت اسحاق کا ذبیح اللہ ہونا ثابت کریں۔ وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے اور محرف تورات کے متضاد بیانات ان کے لئے مفید تو کیا ہوتے الٹا ان کے مؤقف کو بری طرح پامال کر رہے ہیں جیسا کہ ہم قبل ازیں تفصیل سے واضح کر چکے ہیں۔

(ج)۔ حضرت ہاجرہؓ کا مقام و مرتبہ

نہ صرف حضرت اسماعیلؑ بلکہ ان کی والدہ محترمہ کا مقام بھی بہت بلند ہے۔ ان کا مرتبہ بعض حیثیتوں سے حضرت سارہؓ سے بھی بلند ہے۔ بائبل کی کتاب یسعیاہ میں ہے:

> اے بانجھ تو جو بے اولاد تھی نغمہ سرائی کر تو جس نے ولادت کا درد برداشت نہیں کیا خوشی سے گا اور زور سے چلا کیونکہ خداوند فرماتا ہے کہ بیکس چھوڑی ہوئی کی اولاد شوہر والی کی اولاد سے زیادہ ہے۔ (۶۰)

غور کیجئے یہاں بانجھ سے مراد مکہ کی سرزمین ہے کہ یہاں حضرت اسماعیلؑ کے بعد تقریباً ۲۵۰۰ سال تک کوئی پیغمبر نہیں آیا تھا جبکہ شام و فلسطین میں پیغمبر بڑی تعداد میں آتے رہے'' بیکس چھوڑی ہوئی سے مراد حضرت ہاجرہؓ ہے کہ انہیں چند در چند عظیم مصلحتوں کے تحت مکہ کے غیر آباد علاقے میں اپنے شیر خوار بچے سمیت اکیلی چھوڑ دیا گیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اگر چہ وقتاً فوقتاً اپنی بیوی اور بچے کا حال معلوم کرنے کے لئے آتے رہتے تھے لیکن آپ کا مستقل قیام اپنی دوسری بیوی حضرت سارہؓ کے پاس فلسطین میں رہا۔ جنگل اور بیابان میں رہنے کی وجہ سے وہ خبر بھی سچی ہوگئی جو حضرت ہاجرہؓ کو حضرت اسماعیلؑ کے بارے میں ان کی پیدائش سے پہلے ہی بروایت تورات بتا دی گئی تھی ''وہ گورخر کی طرح آزاد ہوگا'' (۶۱) ''شوہر والی'' سے مراد حضرت سارہؓ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ مستقلاً ان کے پاس رہے اور ''شوہر والی کی اولاد'' سے مراد حضرت سارہؓ سے حضرت ابراہیمؑ کی پیدا ہونے والی اولاد بنو اسرائیل ہیں اور ''بے کس چھوڑی ہوئی کی اولاد'' سے مراد حضرت ہاجرہؓ سے حضرت ابراہیمؑ کی پیدا ہونے والی اولاد بنو اسماعیل ہیں۔ ''بے کس چھوڑی ہوئی کی اولاد شوہر والی کی اولاد سے زیادہ ہے'' کی عبارت سے بنو اسماعیل کی بنو اسرائیل پر برتری کا اظہار ہے کہ انہیں عددی اکثریت بھی حاصل ہوگی اور اپنے وقت پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان میں مبعوث ہونے کی بنا پر بنو اسرائیل سے شرف و مرتبے میں بھی زیادہ ہوگی۔

تورات اگر چہ محرّف ہے پھر بھی اس کے بغور مطالعے سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت ہاجرہؓ اور ان کی اولاد، حضرت سارہؓ اور ان کی اولاد سے کسی طرح بھی کم تر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح حضرت سارہؑ کو پریشانی میں تسلی دی اسی طرح حضرت ہاجرہؑ کو بھی دی (۶۲) حضرت سارہؑ کے صاحبزادے حضرت اسحاق کا نام اللہ نے رکھا تو حضرت ہاجرہؓ کے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کا نام بھی اللہ تعالیٰ نے ہی رکھا

(۶۳) اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہؓ کے صاحبزادے حضرت اسحاق کو برکت دی تو اسی طرح حضرت ہاجرہؓ کے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کو بھی برکت دی (۶۴) جس طرح اللہ تعالیٰ حضرت سارہؓ کے صاحبزادے حضرت اسحاق کے ساتھ تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ حضرت ہاجرہؓ کے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کے بھی ساتھ تھا (۶۵) جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہؓ کے صاحبزادے حضرت اسحاق کے متعلق وعدہ فرمایا کہ ان کی نسل سے بہت سی قومیں ہوں گی اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہؓ کے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کے متعلق بھی وعدہ فرمایا (۶۶) حضرت سارہؓ سے فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کی وساطت سے کلام کیا تو حضرت ہاجرہؓ سے فرشتوں نے دو مرتبہ براہ راست کلام کیا اس لحاظ سے وہ حضرت سارہؓ سے بڑھ کر ہیں (۶۷) حضرت اسحاق کے صاحبزادے حضرت یعقوب (اسرائیل) کے بارہ بیٹے ہوئے جو بارہ قبائل کے جدّ امجد ہوئے اسی طرح حضرت اسماعیلؑ کے بھی بارہ بیٹے ہوئے جن سے بارہ قبائل اور ان کی نسلیں چلیں (۶۸)۔ حضرت ہاجرہؓ فرعون مصر کی بیٹی یعنی شہزادی تھیں وہ حضرت سارہؓ کی زرخرید نہ تھیں۔ فرعون مصر نے حضرت ابراہیمؑ سے حُسن عقیدت کی بنا پر حضرت سارہؓ کی خدمت کے لئے اپنی بیٹی حضرت ہاجرہؓ کو ساتھ کر دیا تھا۔ تورات کے ایک معتبر مفسر ربّی شلوموا سحاق نے کتاب پیدائش کے سولہویں باب کی شرح و تفسیر میں حضرت ہاجرہؓ کے متعلق لکھا ہے:

ابـث بـرغه ها شاكشّر انسيّم شغسّوا اساره امموا طاب شتّها بتّي شفحه بيت ذه ولو كبيره بيت اخيّر

وہ ہاجرہؓ فرعون کی بیٹی تھی جب اس نے کرامات کو دیکھا جو بوجہ سارہ واقع ہوئی تھیں تو کہا کہ میری بیٹی کا اس کے گھر میں خادمہ بن کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر رہنے سے بہتر ہے (۶۹)۔

یوں شہزادی حضرت ہاجرہؓ مصر سے کنعان (فلسطین) آئی تو ''ھاغار'' بمعنی اجنبی کہلائی عربی میں اسی کو ہاجرہ کہا جاتا ہے۔ جب حضرت ابراہیمؑ کی اپنی بیوی حضرت سارہؓ سے کوئی اولاد نہ ہوئی تو حضرت سارہؓ نے اپنی خادمہ حضرت ابراہیمؑ کو دے دی۔ بہ مطابق تورات حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۸۶ برس تھی جب حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بیوی اور شیر خوار بچے کو اپنے وطن سے دور جزیرۃ العرب میں اس وقت کی غیر آباد وادی مکہ یا وادی بکہ میں آباد کیا جہاں بیت اللہ (کعبہ) ہے۔ اس کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ جب تک حضرت ہاجرہؓ حضرت اسماعیل

کی ماں نہیں بنی تھیں اس وقت تک وہ حضرت سارہؓ کے پاس عزت و احترام سے رہیں اور دل و جان سے ان کی خدمت کرتی رہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ فاخدمها هاجره (۷۰) ''اس (شاہ مصر) نے ہاجرہؓ کو اس (سارہ) کی خادمہ بنایا تھا''۔ حضرت سارہؓ لاولد تھیں حضرت ہاجرہؓ سے جب حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے تو حضرت ہاجرہؓ کی حیثیت اب حضرت سارہؓ کی بااولاد سوکن کی ہوگئی۔ حضرت سارہؓ نے اب خواہش ظاہر کی کہ حضرت ہاجرہؓ اور ان کے صاحبزادے اسماعیلؑ کے لئے علیحدہ رہائش اور نان ونفقہ کا انتظام ہونا چاہیئے یہ بشری تقاضے کی بناء پر جائز مطالبہ تھا اس سے حضرت ہاجرہؓ کی تحقیر و توہین مقصود نہ تھی یہاں ہمارے نزدیک تورات میں تحریف سے کام لیا گیا ہے۔ اکثر مسلمان اہل علم نے تورات کے مضامین پر اعتماد کرتے ہوئے حضرت سارہؓ کے متعلق اظہار خیال میں مناسب احتیاط سے کام نہیں لیا۔ نبوی گھرانوں میں خادموں اور خادماؤں سے بدسلوکی کا یا انہیں حقیر جاننے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت ہاجرہؓ اور ان کے شیر خوار بچے حضرت اسماعیلؑ کو ویران وادی بکہ میں چھوڑنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا نہ کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت سارہؓ کو خوش کرنے کے لئے ایسا کر رہے تھے۔ اس میں کئی مقاصد پوشیدہ تھے:

۱۔ یہ غیر آباد جگہ ایک شاندار، پرامن اور مقدس و محترم شہر بن جائے۔

۲۔ بیت اللہ (کعبہ) کی عمارت کی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے ہاتھوں تعمیر ہو۔

۳۔ اس علاقے میں حضرت اسماعیلؑ کی نسل چلے۔

۴۔ بنواسماعیل کی نسل سے رسول اکرم خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوں۔

۵۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو حضرت ابراہیمؑ کا تجویز کردہ اصطلاحی نام ''امت مسلمہ'' مرحمت ہو۔

۶۔ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے یعنی حضرت اسحاقؑ کے صاحبزادے حضرت اسرائیل (یعقوب) کی اولاد یعنی بنواسرائیل سے جو عہد و پیمان باندھا جائے اس میں بنواسماعیل میں پیدا ہونے والے خاتم النبیینؐ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی شامل ہو۔

۷۔ بنواسرائیل میں پیدا ہونے والے دو اولوالعزم رسولوں حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی امتوں یعنی یہود و نصاریٰ سے بنواسماعیل میں پیدا اور مبعوث ہونے والے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی بعثت پر آپ کا ساتھ دینے کا عہد لیا جائے۔

۸۔ حضرت موسیٰؑ پر نازل ہونے والی کتاب تورات اور حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہونے والی کتاب انجیل میں بنواسماعیل میں پیدا ہونے والے خاتم النبیین کی بعثت کی بشارتیں اور خبریں دے کر بنواسرائیل کو باور کرایا جائے کہ ایک وقت آنے والا ہے جب رسالت ونبوت کا منصب بنواسرائیل سے بنواسماعیل میں منتقل کر دیا جائے گا۔

۹۔ بالخصوص آخری اسرائیلی رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنواسماعیل میں پیدا اور مبعوث ہونے والے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی واشگاف الفاظ میں بنواسرائیل کو اطلاع دیں کہ میں ایسے رسول کی خوشخبری لے کر آیا ہوں جس کا نام احمد (فارقلیط) ہوگا اور یہ کہ ''میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی'' (۷۱) اور یوں اپنی امت سے یہ نیا عہد باندھا جائے کہ وہ بنواسماعیل سے پیدا ہونے والے اس آخری پیغمبر کا دل وجان سے ساتھ دیں گے۔ یاد رہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک محمد بھی ہے اور احمد بھی ہے۔ یونانی زبان میں احمد کو ہی فارقلیط کہا جاتا ہے۔

۱۰۔ حضرت ہاجرہؓ ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ اور ان کی اولاد بنواسماعیل کو بنواسرائیل سے الگ کر کے بنواسرائیل پر واضح کر دیا جائے کہ حضرت ہاجرہؓ اب حضرت سارہؓ کی خادمہ نہیں رہیں اور نہ ہی بنواسماعیل کی حیثیت اپنے ہم جد بنواسرائیل کے غلاموں کی ہے بلکہ حضرت اسماعیلؑ اور ان کی اولاد اللہ کے گھر کعبہ مکرمہ کی خادم اور متولّی ہے۔ یہ تمام مقاصد بطریق احسن پورے ہوئے مثلاً جب حضرت موسیٰ کو وہ طور پر تورات لینے تشریف لے گئے تو انہیں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص رحمت کے مستحق یہ لوگ ہونگے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْباً عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰاةِ وَالْاِنْجِيْلِ ز يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ اُنْزِلَ مَعَهٗ لا اُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَO (۷۲)

جو رسول نبی امّی کی پیروی کریں گے جسے وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے وہ انہیں نیکی کا حکم دے گا اور برے کاموں سے منع کرے گا ان کے لئے (اللہ

کے حکم سے) پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں اور کاموں کو حرام ٹھہرائے گا اور جو بوجھ ان پر لدے ہوئے ہیں وہ ان سے اتارے گا تو جو لوگ (بھی) اس پر ایمان لائیں گے، اس کی مدد اور نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن کریم) کی پیروی کریں گے جو اس کے ساتھ اتارا گیا ہے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

جب رسول اللہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو مدینہ کے پڑوس میں آباد یہودی قبائل کو مخاطب کر کے یاد دلایا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بعد دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وفاداری کا جو عہد و پیمان لیا اور باندھا تھا اس میں بنو اسماعیل میں پیدا ہونے والے خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لانا بھی شامل تھا۔

يٰبَنِىٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِىۡٓ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ وَاِيَّاىَ فَارۡهَبُوۡنِ O (۷۳)

اے بنی اسرائیل اپنے اوپر میرا احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیا تھا اور تم میرے (ساتھ کئے ہوئے) وعدے کو پورا کرو میں تمہارے (ساتھ کئے ہوئے اپنے) وعدے کو پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرو۔

چونکہ حضرت ہاجرہ کو ان کے باپ شاہ مصر نے حضرت سارہؓ کی خادمہ بنایا تھا اس لئے شہزادی ہونے کے باوجود انہیں لونڈی کہا گیا۔ یہاں یہ یاد رہے کہ غلام اور لونڈی کے الفاظ مجازاً آزاد مردوں اور عورتوں پر بھی بولے جاتے ہیں۔ مثلاً برادران یوسفؑ نے اپنے آپ کو حضرت یوسفؑ کا غلام ظاہر کیا حالانکہ وہ آپ کے بھائی تھے زرخرید غلام ہرگز نہ تھے۔ ''انہوں نے اس سے کہا نہیں خداوند تیرے غلام اناج مول لینے آئے ہیں۔ ہم سب ایک ہی شخص کے بیٹے ہیں۔ ہم سچے ہیں، تیرے غلام جاسوس نہیں ہیں'' (۷۴)

عربی زبان میں بھی ولیدہ، جاریۃ، اور اَمَۃ کے الفاظ بسا اوقات آزاد لڑکیوں پر بھی بولے جاتے ہیں مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے موقع پر مدینے کے قبیلے بنو نجار کی لڑکیاں یہ گیت گا رہی تھیں۔

نحن جوارٍ من بنی النجار

یا حبّذا محمّداً من جارہ (۷۵)

یہاں اس شعر میں نحن جوار من بنی النجار کا معنی ہے ہم بنونجار کی لڑکیاں ہیں یہ معنی نہیں کہ ہم بنونجار کی لونڈیاں ہیں۔ اگر اصرار کیا جائے کہ حضرت ہاجرہؓ لونڈی تھیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی کی بزرگی اور برتری کا معیار آزاد یا غلام ہونا نہیں بلکہ ایمان وتقویٰ ہے۔ دیکھئے حضرت یوسفؑ عزیز مصر فوطیفار کے زرخرید غلام تھے لیکن کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ فوطیفار کا مرتبہ یوسفؑ سے بڑھ کر ہے ''اور مدیانیوں نے اسے مصر میں فوطیفار کے ہاتھ جو فرعون کا ایک حاکم اور جلوداروں کا سردار تھا بیچا (۷۶)۔ ''جب اس کے آقا نے اپنی بیوی کی وہ باتیں جو اس نے اس سے کہیں سن لیں کہ تیرے غلام نے مجھ سے ایسا ایسا کیا تو اس کا غضب بھڑکا (۷۷) اگر کہا جائے کہ حضرت یوسفؑ بعد میں خود عزیز مصر ہو گئے تھے لہٰذا معزز ٹھہرے تو بعینہ اسی طرح حضرت اسماعیلؑ کی ولادت باسعادت کے بعد حضرت ہاجرہؓ بھی لونڈی یا خادمہ نہ رہیں بلکہ اپنے نومولود بچے کے ساتھ اس وقت کے غیر آباد اور بیابان (مکہ) میں مقیم ہو کر بعض حیثیتوں سے حضرت سارہؓ سے بھی بڑھ گئیں۔ ایسی جگہ میں قیام جہاں نہ پانی تھا اور نہ ہی کوئی آدم زاد، حضرت ہاجرہؓ کے لئے بہت بڑا امتحان تھا۔ جس پامردی و بے خوفی، ہمت و جرأت، صبر وتحمل اور شجاعت و عزیمت سے وہاں سخت سے سخت حالات کا انہوں نے مقابلہ کیا وہ ایک لازوال داستان ہے اور پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ پہاڑوں پر ان کی دوڑ (سعی) کو آئندہ کی نسلوں کے لئے یادگار بنا دیا گیا کہ وہ اس سعی کو مناسک حج وعمرہ کا حصہ بنائیں۔

اگر لونڈی ہونا یا لونڈی کی اولاد ہونا عیب ہے تو حضرت یعقوبؑ کی بیوی لیاہ کی لونڈی زلفہ اور دوسری بیوی راخل کی لونڈی بلہاہ سے بھی حضرت یعقوبؑ کی اولاد ہوئی (۷۸)۔ ان لونڈیوں سے پیدا ہونے والے بچے بھی حضرت یعقوبؑ کے بارہ فرزندوں میں شامل ہیں۔ تورات میں کہیں بھی انہیں دوسروں سے کم تر قرار نہیں دیا گیا اور نہ ہی انہیں تحقیر سے لونڈی زادے کہا گیا ہے۔

(د) حضرت اسماعیلؑ کے متعلق محض غلط فہمیوں کا ازالہ

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت اسماعیل ابھی شیر خوار تھے جب وہ اپنی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہؓ کے ساتھ مکہ کے غیر آباد علاقے میں بیت اللہ (کعبہ) کے نزدیک ٹھہرائے گئے تھے (۷۹) یہاں بھی موجودہ تورات میں تحریف سے کام لیا گیا ہے جو خود تورات کے مضامین سے ہی ظاہر ہو رہی ہے تورات کی کتاب پیدائش میں بتایا گیا ہے کہ حضرت اسماعیل کی ولادت پر حضرت ابراہیمؑ کی عمر چھیاسی

برس تھی اور حضرت اسحاقؑ کی ولادت پر حضرت ابراہیمؑ کی عمر سو برس تھی (۸۰) پس اس وقت حضرت اسماعیلؑ چودہ برس کے تھے۔ اس کے بعد جب حضرت اسحاق کا دودھ چھڑایا گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے بڑی ضیافت کی'' اور سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا جو اس کے ابراہیمؑ سے ہوا تھا ٹھٹھے مارتا ہے تب اس نے ابراہیمؑ سے کہا کہ اس لونڈی کو اور اس کے بیٹے کو نکال دے کیونکہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اضحاق کے ساتھ وارث نہ ہوگا (۸۱) یعنی جب حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ وہاں سے ہجرت کر گئے تو بموجب تورات حضرت اسماعیلؑ کی عمر سولہ برس کے قریب تھی جبکہ حضرت اسحاقؑ کی مدت رضاعت دو برس فرض کی جائے اس کے بعد اسی کتاب پیدائش میں ہے:

> اور جب مشک کا پانی ختم ہو گیا تو اس نے لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا اور آپ اس کے مقابل بیٹھ گئی اور چلا چلا کر رونے لگی اور خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا؟ مت ڈر کیونکہ خدا نے اس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا تھا اس کی آواز سن لی ہے اُٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کیونکہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ (۸۲)

دیکھئے اگر اس وقت حضرت اسماعیلؑ واقعی سولہ برس کے تنومند نوجوان ہوتے تو اپنی والدہ کے لئے تسلی اور تسکین کا سبب بنتے اور پانی کی تلاش میں خود نکلتے۔ اس عمر کے نوجوان کو اس کی والدہ گود یا کندھے پر نہیں اٹھایا کرتی۔ یہاں اٹھانے سے بیٹھے ہوئے کو کھڑا کرنے یا نیند سے جگانے وغیرہ کا معنیٰ نہیں لیا جا سکتا بلکہ گود میں اٹھانا مراد ہے جیسا کہ گڈ نیوز بائبل کا انگریزی متن یوں ہے۔

get up go and picb him up.

اور عربی بائبل کا متن یوں ہے۔

و لما فرغ الماء من القربة طرحت الولد تحت احدی الاشجارہ (۸۳)

قومی احملی الغلام و شدّی یدک بہ (۸۴)

یہاں انگریزی متن میں picb up اور عربی میں احملی کے الفاظ اسی طرح طرحت الولد کے کلمات سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ گود میں اٹھائے جانے کے لائق بچے تھے۔ بائبل کے مذکورہ متن کا یہ حصہ ''میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا'' ہمارے خلاف حجت نہیں ہو سکتا کیونکہ محرف تورات کی رو سے اس وقت حضرت اسماعیلؑ سولہ برس کے نوجوان تھے جبکہ ان کے ذبیح ہونے کا واقعہ اس

سے بہت پہلے بلکہ بموجب قرآن وتورات حضرت اسحاق کی پیدائش سے بھی پہلے پیش آچکا تھا اس وقت آپ اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے اور تورات میں حضرت ابراہیمؑ کو اپنا اکلوتا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا پس ہمارے نزدیک مذکورہ زیر بحث جملہ یقیناً بعد کا اضافہ ہے۔ الغرض تورات کے مذکورہ بالا متن سے صحیح بخاری کی اس روایت کی تائید ہورہی ہے کہ حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے مکہ میں قیام کے وقت حضرت اسماعیلؑ شیر خوار تھے تورات میں یہ تحریف اس لئے کی گئی ہے کہ یہ ظاہر کیا جاسکے کہ حضرت اسماعیلؑ کی ولادت کے بعد بھی کوئی سولہ برس تک حضرت ہاجرہؓ کی حیثیت حضرت سارہؓ کی لونڈی کی تھی۔ تورات کے بیان کے مطابق حضرت سارہؓ (معاذ اللہ) جو ظالمانہ سلوک حضرت ہاجرہؓ سے کرتی تھی وہ سالہا سال کے عرصے پر محیط تھا۔ گڈ نیوز بائبل میں ہے۔

Then Sara treated Hagar so cruelly"that she ran away"

یعنی سارہ نے ہاجرہ کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک کیا کہ وہ گھر سے بھاگ گئی۔ اردو بائبل کا متن یہ ہے ''تب سارہ اس پر سختی کرنے لگی اور وہ اس کے پاس سے بھاگ گئی'' اہل کتاب حضرت ہاجرہؓ کی توہین کرتے ہوئے یہ فراموش کر بیٹھے کہ اس سے خود حضرت سارہؓ اور حضرت ابراہیمؑ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) سنگ دل اور ظالم قرار پاتے ہیں یوں اہل کتاب حضرت سارہؓ اور حضرت ابراہیمؑ دونوں کی توہین کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ہم حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہؓ کا اہل کتاب کی نسبت کہیں زیادہ احترام کرتے ہیں ہم یہ تصور بھی نہیں کرسکتے کہ حضرت سارہ جیسی جلیل القدر خاتون اپنی خادمہ سے ظالمانہ سلوک کرتی تھیں اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اس صورت حال کو برقرار رکھے ہوئے تھے۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے بھی اپنا غلام زیدؓ بن حارثہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کردیا تھا آپ نے اسے آزاد کرکے اپنا بیٹا بنایا۔ لوگ حضرت زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہا کرتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیدؓ کے ساتھ حسن سلوک کا ہی اثر تھا کہ بعد میں جب زیدؓ کے والد اور چچا کو زیدؓ کی مکہ میں موجودگی کا علم ہوا اور وہ ہر قیمت پر زید کو اپنے ساتھ لے جانے پر مُصر ہوئے تو زیدؓ نے صاف انکار کردیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنے پر ہرگز آمادہ نہ ہوئے (۸۶)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈی حضرت ماریہ قطبیہؓ سے آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے تو ازواج مطہرات میں سے ہرگز کسی نے یہ جرأت نہیں کی کہ وہ آپ سے یہ مطالبہ کرتیں کہ اس لونڈی اور اسکے بچے کو جلاوطن کردیا جائے۔

الغرض حضرت اسماعیلؑ شیر خوارگی کے زمانے میں ہی اپنی والدہ کے ہمراہ وادیٔ مکہ میں ٹھہرائے گئے تھے اور حضرت ہاجرہؓ ظاہری طور پر بھی حضرت سارہؓ کی خادمہ نہ رہی تھیں۔ اس سلسلے میں اہل کتاب کی تحریف کی طرف ہمارے بعض اہل علم کی بھی نظر نہ گئی۔ مثلاً علامہ سید سلیمان ندویؒ کا خیال ہے کہ حضرت اسماعیلؑ وادی غیر ذی زرع (بن کھیتی کی وادی) میں جب پہنچے تو وہ بڑی عمر کے تھے اور یہ کہ اس وقت حضرت اسحاقؑ پیدا ہو چکے تھے۔ ان کے استدلال کی بنیاد سورہ صافات کی اس متعلقہ آیت پر ہے

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ

تو جب وہ (اسماعیل) اس (ابراہیم) کے ساتھ دوڑ دھوپ (کی عمر) پہنچے۔

سید صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت کی رو سے حضرت اسماعیلؑ اپنے سن رُشد تک حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ہی رہے۔ ان کا یہ استدلال کمزور ہے۔ حضرت ابراہیمؑ وقتاً فوقتاً اپنے اہل وعیال کی خیریت دریافت کرنے کے لئے مکہ تشریف لاتے رہتے تھے۔ نیز لفظ معہ سے معیت مکانی مراد نہیں بلکہ معیت زمنی کا ذکر کیا گیا ہے کہ وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ ذبیح اللہ قرار دیئے جانے کے وقت حضرت اسماعیلؑ دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ نہ یہ کہ غیر آباد وادی مکہ میں قیام کے وقت وہ سن رُشد کو پہنچے ہوئے تھے۔

سید صاحب کا دوسرا استدلال سورہ ابراہیم کی ان آیات سے ہے جن میں حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا فرمائی ہے ''اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے نزدیک ایسی وادی میں لا چھوڑا ہے جہاں کھیتی نہیں ہوتی۔ اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں سو تو لوگوں کے دلوں کو ان کی جانب مائل کردے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ وہ شکر کریں۔ اے ہمارے رب! بے شک تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور اللہ پر کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں پوشیدہ ہے'' (۸۷)

بعد میں دعا کا حصہ یہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ

اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیلؑ اور اسحاقؑ عطا فرمائے بے شک میرا رب دعا کو سننے والا ہے۔

یہاں سیّد صاحب کا استدلال یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا اس وقت کی ہے جب انہوں نے حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کو وہاں آباد کیا تھا اور دعا کے آخر میں حضرت اسماعیلؑ اور حضرت

اسحاق دونوں کا ذکر ہے لہٰذا اس وقت حضرت اسماعیلؑ بڑی عمر کے تھے اور حضرت اسحاقؑ پیدا ہو چکے تھے

(۸۷) ہماری نظر میں یہ استدلال بھی کمزور ہے کیونکہ اگر سورہ ابراہیم میں مذکور حضرت ابراہیمؑ کی پوری دعا مراد ہے تو اسے قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَO

اور جب ابراہیمؑ نے کہا اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچا کہ ہم بتوں کی پوجا کریں۔

یہاں دعا میں حضرت ابراہیمؑ نے بَنِیَّ (میرے بیٹے) کہہ کر جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ اس سے حضرت اسماعیلؑ اور ان کی اولاد ہی مراد ہو سکتی ہے کیونکہ مکہ مکرمہ حضرت اسحاقؑ اور ان کی اولاد کا مسکن نہیں اس سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ یہ دعا ذبح اسماعیلؑ کے واقعہ کے بعد کی ہے۔ چنانچہ یہاں مکہ کو حضرت ابراہیمؑ نے ھذا البلد ''یہ شہر'' کہا ہے اور البلد کو الف لام کے ساتھ معرفہ بنایا گیا ہے یعنی یہ شہر ایک حد تک آباد ہو چکا تھا جب حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا مانگی ہے اور سورہ بقرہ میں حضرت ابراہیمؑ کی اسی طرح کی دعا یوں دی گئی ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا (۸۸)

اور جب ابراہیمؑ نے کہا اے میرے رب! اس (جگہ) کو ایک امن والا شہر بنا دے۔

یہاں بلداً اٰمناً میں بلد کو بغیر الف لام کے بطور اسم نکرہ لایا گیا ہے یعنی اس (غیر آباد جگہ) کو ایک امن والا شہر بنا۔ بالفاظ دیگر سورہ بقرہ والی دعا میں اس غیر آباد جگہ کی بلدیت (شہر ہونا) اور امن دونوں مقصود ہیں جبکہ سورہ ابراہیم والی دعا میں اس جگہ کی بلدیت مقصود نہیں بلکہ شہر تو پہلے ہی بن چکا تھا یہاں اس شہر کا صرف مامون ہونا مطلوب ہے تاکہ اس امن کی وجہ سے مزید لوگ یہاں آباد ہوتے چلے جائیں اور اس جگہ سے مانوس ہو جائیں (۸۹) یہ شبہ لاحق نہ ہونا چاہئے کہ سورہ ابراہیم والی دعا کے وقت شہر مکہ کو امن حاصل نہیں تھا اور سورہ بقرہ والی دعا صرف جزواً قبول ہوئی تھی کیونکہ بعض اوقات کسی نعمت کو اللہ تعالیٰ سے طلب کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ سائل کے پاس یہ نعمت موجود نہیں۔ سوال حصول نعمت کا نہیں بلکہ بقاء نعمت کا ہوتا ہے مثلاً:

اللّٰھم اھدنی وعافنی وارزقنی

کا یہ مطلب نہیں کہ سائل کو ہدایت، عافیت اور رزق حاصل نہیں بلکہ ان نعمتوں کے مانگنے سے ان میں فراوانی اور ان کا قائم و برقرار رہنا مطلوب ہوتا ہے۔ وَ اجۡعَلۡ ھٰذا البلد اٰمِناً کا مطلب ہے کہ اس شہر (مکہ مکرمہ) کا امن قائم و بحال ہے کہ لوگوں کو اس شہر سے مزید و مزید رغبت ہو اور اس کی آبادی میں اضافہ ہوتا چلا جائے دعا کے اس حصے وَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ سے بھی مغالطہ نہیں ہونا چاہئے۔ مکہ بڑا شہر ہونے کے باوجود تا حال زرعی علاقہ نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابراہیمؑ کے حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کو غیر آباد وادی مکہ میں آباد کرنے کی جو طویل روایت موجود ہے (۹۰)۔

سید سلیمان ندویؒ اسے حضرت ابن عباسؓ پر موقوف اور اسرائیلیات سے قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ اس لئے صحیح نہیں کہ اسی روایت میں صاف تصریح ہے کہ وہ حضرت اسماعیلؑ کی رضاعت کا زمانہ تھا۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے بھی سید صاحب کے مذکورہ موقف سے اختلاف کیا ہے۔ (۹۱) مگر خود مولانا سے بھی یہاں تسامح ہوا ہے۔ یہ تسلیم کر لینے کہ باوجود کے حضرت اسماعیلؑ کو مکہ میں شیر خوارگی کے ایام میں بسایا گیا تھا، آئندہ سطور میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں اور جب ابراہیمؑ نے ہاجرہؓ و اسماعیلؑ کو مکہ میں آباد کیا تھا تو ان کے لئے دعا کرتے ہوئے اس طرح اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ وَھَبَ لِیۡ عَلَی الۡکِبَرِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ (۹۲)

حضرت اسماعیلؑ کی مدت رضاعت کے زمانے میں تو حضرت اسحاقؑ موجود ہی نہیں تھے وہ تو حضرت اسماعیلؑ سے چودہ برس چھوٹے تھے اور اس وقت سوائے حضرت اسماعیلؑ کے حضرت ابراہیمؑ کی کوئی اولاد نہیں تھی اسی لئے وہ اس وقت اکلوتے بیٹے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سورہ ابراہیم والی مکمل دعا صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ والی روایت میں شامل نہیں اگر قرآن کریم کی آیات متعدد واقعات اور احوال پر چسپاں ہوتی ہوں تو ان سب واقعات و حوادث کو ان آیات کا شان نزول کہہ دیا جاتا تھا خواہ متعلقہ واقعات و حوادث ان آیات کے نزول سے پہلے کے ہوں یا بعد میں پیش آئے ہوں (۹۳) یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ والی روایت میں سورہ ابرہیم میں مذکور ابراہیمی دعا کے صرف وہی حصے شامل کئے گئے ہیں جو موقع اور محل سے ایک حد تک مناسبت رکھتے تھے۔ چنانچہ روایت میں دعائیہ کلمات رَبَّنَا اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ سے لَعَلَّھُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ تک ہی شامل کئے گئے ہیں۔

دعا کا دیگر حصہ سراسر غیر متعلق ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے یوں ابن عباسؓ کی اس روایت میں حضرت ابراہیمؑ کے چند دعائیہ کلمات کو بطور استشہاد لایا گیا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ بعینہ انہی کلمات

سے دعا کی گئی ہو۔ چنانچہ اگر شروع سے آخر تک ساری دعا پر غور کیا جائے تو بَنِی (میرے بیٹے)، مِنْ ذریتی (میری کچھ اولاد) البَلَد (مخصوص شہر) اور آخر میں حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ حضرت اسحاق کا بھی ذکر بتا رہا ہے کہ یہ دعا ذبح اسماعیل کے واقعے کے بعد کی ہے اور حضرت ابن عباس کی روایت میں اس دعا کے کچھ حصوں کو محض بطور استشہاد دلایا گیا ہے یہاں پھر یہ یاد رہے کہ حضرت اسماعیلؑ کو ذبیح اللہ قرار دیتے وقت حضرت اسحاقؑ موجود ہوتے تو حضرت اسماعیلؑ نہ تو اکلوتے بیٹے ہوتے اور نہ ہی حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش انتہائی سخت اور کڑی شمار ہوتی کہ اسے البلاء المبین کا نام دیا جائے۔ اور سورۂ صافات کا متعلقہ سیاقِ کلام بھی ظاہر کر رہا ہے کہ ذبیح اسماعیلؑ کا واقعہ حضرت اسحاقؑ کا بشارتِ ولادت سے پہلے کا ہے۔

یہاں مولانا سیوہارویؒ کہ ایک اور تسامح کی طرف بھی اشارہ ضروری ہے۔ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے ختنوں کے متعلق تورات کا یہ مضمون نقل کر کے اسے صحیح سمجھ لیا ”تب ابراہیم نے اپنے بیٹے اسماعیلؑ اور سب خانہ زادوں اور اپنے سب زر خریدوں کو یعنی ابراہیمؑ کے گھر کے لوگوں میں جتنے فرد تھے سب کو لیا اور اسی روز ان کا ختنہ کیا جس طرح خدا نے اس کو فرمایا تھا جس وقت ابراہیم کا ختنہ ہوا وہ ننانوے برس کا تھا اور جب اس کے بیٹے اسماعیلؑ کا ختنہ ہوا تو وہ تیرہ برس کا تھا۔ (۹۴)

تورات کے مذکورہ بیان میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ اور دیگر سب خانہ زادوں اور سب زر خریدوں کا ختنہ ایک ہی دن کیا تھا اور اس وقت حضرت اسماعیلؑ تیرہ برس کے تھے۔ جب خود مولانا سیوہارویؒ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ اپنی مدت رضاعت میں ہی مکہ منتقل ہو گئے تھے اور یہ بھی سب ہی کو معلوم ہے کہ سوائے حضرت ہاجرہؓ کے حضرت ابراہیمؑ کے گھرانے کا کوئی اور فرد یا زر خرید غلام ان کے ہمراہ نہ تھا تو ختنے میں وہ سب یکجا کیسے ہو گئے؟ حضرت اسماعیلؑ کا تیرہ برس کی عمر میں مکہ سے فلسطین آنا کسی بھی روایت سے ثابت نہیں پس تورات کا مذکورہ متن بھی ہمارے نزدیک محرف ہے۔ البتہ جب حضرت ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تو اپنے والد ماجد کی تجہیز و تکفین میں حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ دونوں بھائی شریک تھے۔ (۹۵) اس وقت حضرت اسماعیلؑ کی عمر ۸۹ برس اور حضرت ابراہیمؑ کی ۱۷۵ برس تھی۔

حضرت اسحاقؑ اور ان کے بیٹوں کی حضرت اسماعیلؑ سے محبت و عقیدت کا علم سورہ بقرہ کے اس مضمون سے بھی ہوتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ تو جواب میں انہوں نے کہا کہ اس ایک معبود کی عبادت کریں گے جو تیرا اور

تیرے باپ دادا ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کا معبود ہے اور ہم اسی (معبود حقیقی) کے مسلم (فرمانبردار) ہیں۔ (۹۶) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اسی سال کی عمر میں ختنہ کیا تھا اور اسی مضمون کی روایت صحیح مسلم میں بھی ہے (۹۷) صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں ختنہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۱۲۰ برس بیان کی گئی ہے۔ (۹۸) لیکن صحیحین کی روایت راجح ہے پس حضرت ابراہیمؑ کا ختنہ اسی سال یا اس کے بعد نوے برس سے پہلے ہوا تھا یوں حضرت اسماعیلؑ کا ختنہ انہیں مکہ میں پہنچائے جانے سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔

مولانا سیوہارویؒ کے اس خیال سے بھی ہم متفق نہیں ہیں کہ سن رُشد کو پہنچنے پر حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کا قصہ پیش آیا ہے اور یہ کہ اس وقت حضرت اسحاقؑ پیدا ہو چکے تھے۔ (۹۹) اس پر ہم گزشتہ مباحث میں اظہار خیال کر چکے ہیں یہاں یہ یاد رہے کہ ذبح کے اس واقعے میں سورہ صافات کی آیت کا متعلقہ حصہ "فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ" ہے فلما بلغ اشدّہ یا فلما اٰتینا ہ رُشدہ وغیرہ نہیں ہے۔ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کے واقعے کے وقت حضرت اسحاقؑ کا پیدا ہونا تو ایک طرف رہا ان کی ولادت کی بشارت بھی اس وقت تک حضرت ابراہیمؑ کو نہیں ملی تھی اور جب یہ بشارت ملی تو اس وقت حضرت اسماعیلؑ کی عمر تیرہ برس تھی پس حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کا واقعہ جب پیش آیا تو ان کی عمر تیرہ برس سے بھی کم تھی۔ یہ بالغ ہونے کی نہیں بلکہ قریب البلوغ ہونے کی عمر ہے اور اس عمر کا بچہ گھر کے کام کاج میں افراد خانہ کا ہاتھ بٹانے اور دوڑ دھوپ میں شریک ہونے کے قابل ہوتا ہے۔ یتیم بچے کے اموال کی حفاظت اور یتیموں کے مصالح کی رعایت کا جو حکم سورہ النساء میں موجود ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سن رُشد اکثر و بیشتر نکاح کی عمر کو پہنچنے یعنی بالغ ہونے کے بعد ہوتا ہے (۱۰۰) چونکہ ذبیح اللہ بننے کے وقت حضرت اسماعیلؑ قریب البلوغ تھے اس لئے قرآن کریم میں فلما بلغ معه السعی کے کلمات لائے گئے ہیں لہٰذا بعض اہل علم کا یہ کہنا کہ ذبح کے وقت حضرت اسماعیلؑ سن رشد کو پہنچ چکے تھے، مذکورہ بالا وضاحت کی روشنی میں درست دکھائی نہیں دیتا البتہ اس حد تک وہ باشعور ضرور تھے کہ اللہ کی راہ میں قربان ہونے کے مضمرات کو خوب سمجھتے تھے اور اپنے والد ماجد حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ مکمل تعاون فرما کر انہوں نے بالغ عمری کا نہیں بلکہ بالغ نظری کا ثبوت بہم پہنچایا اس لحاظ سے یہ کہنا درست ہوگا کہ وہ سن رشد کو نہیں تو سن شعور کو ضرور پہنچ چکے تھے۔

(ھ) بنو اسماعیلؑ کا مسکن اور خاتم النبیین ﷺ کا مقام بعثت و ہجرت

مارگولیس جیسے بعض متعصب مستشرقین کا اصرار ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیمؑ کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد عرب میں آزاد نہیں ہوئی تھی اگر چہ طبقاتی تواتر سے آئندہ نسلوں تک پہنچنے والے حقائق بدیہی ہوتے ہیں تاہم متعصب مستشرقین کو اس سلسلے میں ہم ان کی بائبل کا مطالعہ کرائے دیتے ہیں۔عہد نامہ جدید میں پولوس (سینٹ پال) کے گلیتوں کے نام خط کے مضمون کا ایک حصہ یوں ہے۔

اور ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے اور موجودہ یروشلم اس کا جواب ہے۔(۱۰۱)

عہد نامہ قدیم کی کتاب یسعیاہ میں ہے''دیکھو پرانی باتیں پوری ہوگئیں اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں اے سمندر پر گزرنے والو اور اس میں بسنے والو! اے جزیرو اور ان کے باشندو خداوند کے لئے نیا گیت گاؤ زمین پر سرتا پا اسی کی ستائش کرو، بیابان اور اس کی بستیاں، قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں۔سلع کے بسنے والے گیت گائیں، پہاڑوں کی چوٹیوں سے للکاریں وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں اور جزیروں میں اس کی ثنا خوانی کریں''۔(۱۰۲) نیز اسی کتاب کی ایک عبارت یوں ہے:

> عرب کی بابت بار نبوت، اے ددانیوں کے قافلوتم عرب کے جنگل میں رات کاٹو گے اور پیاسے کے پاس پانی لائے تیما کی سرزمین کے باشندے روٹی لے کر بھاگنے والے سے ملنے کو نکلے۔

کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں، کیونکہ خداوند نے مجھ سے یوں فرمایا کہ مزدور کے برسوں کے مطابق ایک برس کے اندر اندر قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی۔اور تیر اندازوں کی تعداد کا بقیہ یعنی بنی قیدار کے محافظ تھوڑے سے ہونگے کیونکہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا ہے۔(۱۰۳) بائبل کی مذکورہ عبارتوں سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کے صاحبزادے قیدار اور ان کی اولاد کا مسکن زمانہ قدیم سے عرب کا علاقہ ہے۔کتاب یسعیاہ کی مذکورہ عبارتوں میں نئے گیت سے مراد عبادت کے وہ طریقے ہیں جو شریعت محمدیہ ﷺ میں موجود ہیں کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے سابقہ شرائع قدیم اور منسوخ قرار پائیں۔بحر و بر کے تمام باشندوں کو حضرت یسعیاہ (اشعیاء علیہ السلام) نے نئے گیت کے

حوالے سے مخاطب کر کے حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری اور آپ کی رسالت کے عالمگیر ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ لفظ قیدار سے واضح ہو رہا ہے کیونکہ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ اسی قیدار بن اسماعیلؑ کی اولاد سے ہیں، خداوند کے لئے نیا گیت گاؤ۔ زمین پر سرتا پا اسی کی ستائش کرو۔ بیابان اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں، کے کلمات سے مناسک حج کی طرف اشارہ ہے۔ حج میں دنیا بھر سے لاکھوں انسان جمع ہو کر تلبیہ کے کلمات **لبیک اللّٰھم لبّیک لاشریک لک لبّیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک** بآواز بلند بار بار دھراتے ہیں۔

حضرت اشعیاہ علیہ السلام کے کلام کو تلبیہ کے یہ کلمات پوری طرح اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں کیونکہ ان کلمات کا مفہوم یہ ہے۔

اے اللہ! میں تیرے لئے بار بار حاضر ہوں، بار بار حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں تیرے لئے بار بار حاضر ہوں، بے شک ہر تعریف اور ہر نعمت تیرے ہی لئے (اور تیری ہی طرف سے) ہے اور سب حکومت (بھی) تیرے ہی لئے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔

دیکھئے بقول حضرت اشعیاہؑ مذکورہ کلمات کس طرح اللہ تعالیٰ (خداوند) کی بآواز بلند سرتا پا ستائش ہیں۔ ''سلع کے بسنے والے گیت گائیں، پہاڑوں کی چوٹیوں سے للکاریں'' سلع کے متعلق آکسفورڈ بائبل کنکارڈینٹس میں ہے۔ عرب کا قدیم مرکزی شہر جس کی بنیاد بنوعیسو نے رکھی تھی (۱۰۴) اور بائبل کی کتاب پیدائش سے واضح ہے کہ عیسو بن یعقوب، حضرت اسمٰعیل کے داماد تھے (۱۰۵) نیز یہاں لفظ سلع سے پہلے ''قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں'' کا جملہ ہے اور اوپر بائبل سے ہی یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ قیدار، حضرت اسماعیلؑ کے فرزند اد جمند ہیں جن کی اولاد کا مسکن عرب ہے پس یہاں عرب کا سلع ہی مراد ہو سکتا ہے خواہ اس نام کے کوئی اور شہر بھی ہوں۔ یہ سلع وہی یثرب کا شہر ہے جو رسول اکرم ﷺ کی وہاں ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کہلایا۔ سلع مدینے کا پہاڑ ہے اور آج بھی اسی نام سے مشہور چلا آ رہا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے ایک صحابی حضرت کعب بن مالکؓ نے جو غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے تھے، اپنا طویل قصہ بیان کرتے ہوئے اس سلع کا یوں ذکر کیا ہے:

سمعت صوت صارخ اوفیٰ علیٰ جبل سلع یقول باعلیٰ صوتہ یا کعب بن مالک البشر (۱۰۶)

میں نے ایک چیخنے والے کی آواز سنی جو سلع پہاڑ پر چڑھ کر نہایت بلند آواز سے کہہ رہا تھا

اے کعب بن مالک تجھے بشارت ہو۔

ابن جریر طبریؒ نے غزوہ خندق (احزاب) کے بیان میں بروایت ابن اسحاق لکھا ہے:

وخرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم والمسلمون حتّٰی جَعَلُوْا ظھورھم الیٰ سلع فی ثلاثۃ الاف مِنَ الْمُسْلمین فضرب ھناک عسکرہ والخندق بینہ وبین القوم (۱۰۷)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان (مقابلے کیلئے) نکلے یہاں تک کہ انہوں نے اپنی پُشتوں کو سلع کی طرف کیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ تین ہزار مسلمان تھے آپ ﷺ نے وہیں لشکر کو ٹھہرایا اور خندق آپ کے اور لوگوں کے درمیان تھی۔

جب رسول اکریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی اور جب آپ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو اسی سلع (مدینہ) کی لڑکیاں یہ گیت گا رہی تھیں۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا مادعااللّٰہ داع (۱۰۸)

ہم پر ثنیات الوداع کی گھاٹیوں سے چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے جب تک کوئی پکارنے والا اللہ کو پکارتا رہے۔

ہجرت کے موقع پر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنونجار کے محلے سے گزرے تو وہاں بچیاں یہ گیت گا رہی تھیں

نحن جوارمن النجار
یاحبّذا محمد من جار

ہم بنونجار کی لڑکیاں ہیں ہماری کیسی خوش قسمتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پڑوسی ہوئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ جانتا ہے کہ میرا دل تم سے محبت کرتا ہے (۱۰۹)۔ بائبل کے قدیم اردو تراجم کی کتاب استثناء میں ہے ''خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لئے تھی۔ ہاں وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں

اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے''۔(۱۱۰)

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آخری کلام ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ آخری پیغمبر کی آمد کی بڑی کھلی بشارت ہے۔ اس میں خداوند کے سینا سے آنے کا مطلب ہے خدا کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسالت و نبوت عطا فرمانا، اور کوہ شعیر سے مراد ہے خدا کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو منصب نبوت و رسالت پر فائز کرنا، اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہونے کا مطلب ہے خدا کا خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں مبعوث فرمانا۔ قرآن کریم نے سینا، شعیر اور فاران والی مذکورہ بشارت کا ذکر سورہ التین کی ابتدائی آیات میں یوں فرمایا ہے۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِO وَطُوْرِ سِيْنِيْنَO وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِO

''قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور اس امن والے شہر کی''۔ سبھی کو معلوم ہے کہ انجیر اور زیتون والا ملک شام ہے اور وہی کوہ شعیر کا مبدا ہے طور سینا سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اور البلد الامین سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت مکہ کی طرف اشارہ ہے۔

فاران والی اس بشارت کے یہ الفاظ ''وہ دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا'' قرآن کریم کی سورہ الفتح کی آخری آیت کے اس حصے کے مطابق ہیں محمد رسول الله والذین معه یعنی محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں...، واضح رہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرامؓ تھے (۱۱۱) جو فاران سے طلوع ہونے والے اس نورانی پیکر کے ساتھ دس ہزار مقدسوں کی صورت میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔ فاران والی اس بشارت کا ایک جملہ یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں ان کے لئے آتشیں شریعت ہوگی۔ یہ الفاظ اس قرآنی آیت کے اس حصے کے مطابق ہیں ''اشداء علی الکفار'' یعنی رسول کے یہ ساتھی کافروں پر سخت ہیں۔ فاران والی اس بشارت کا ایک جملہ ہے کہ وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے۔ زیر بحث قرآنی آیت کا یہ حصہ اس کے مطابق ہے ''رحماء بینھم'' یعنی وہ آپس میں مہربان ہونگے۔ فاران والی اس بشارت میں یہ جملہ بھی ہے ''اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں'' اب زیر نظر قرآنی آیت کے اس حصے کو دیکھئے۔

تَرٰاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ط سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ

تو انہیں دیکھے گا کہ وہ رکوع اور سجود کرنے والے ہیں، اللہ کا فضل اور رضا تلاش کرتے ہیں

سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر (نورانیت کا اور بالفاظ کتاب استثنا مقدس ہونے کا) نشان ہے۔

زیر بحث قرآنی آیت کے آخر میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی مثال تورات اور انجیل میں مذکور ہے" (اس) کھیتی کی مانند جو اپنی بالی نکالے پھر اسے مضبوط کیا، پھر وہ (انکھوا) موٹا ہو گیا پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا" اب بائبل کے نئے عہد نامے میں انجیل متی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک تمثیل کی عبارت ملاحظہ ہو" آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانہ کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا وہ سب بیجوں سے چھوٹا ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں (۱۱۱/۲)۔

تورات وانجیل کے یہ مضامین اس قدر واضح ہیں کہ اہل کتاب کو تورات کی کتاب استثناء کے مذکورہ مضمون میں بار بار تحریف کی ضرورت شدت سے محسوس ہوتی رہی ہے۔ اس بشارت کا ایک جملہ یہ تھا "دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا" لیکن پروٹسٹنٹ چرچ کی اردو بائبل میں یہ جملہ یوں کر دیا گیا ہے۔

"اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا"

یعنی ایک تو دس ہزار کو لاکھوں سے بدل دیا۔ اور دوسرے "کے ساتھ آیا" کو "میں سے آیا" سے بدل دیا۔ حالانکہ کنگ جیمس ورژن والی انگریزی بائبل میں اب بھی With ten thousands of saints کے الفاظ موجود ہیں البتہ نظر ثانی شدہ اور جدید انگریزی میں لکھی گئی بائبل "گڈ نیوز بائبل" میں تعداد تو دس ہزار ہی رکھی ہے لیکن Saints کی بجائے لفظ Angels "یعنی فرشتے" لایا گیا ہے۔ البتہ اس بائبل میں بھی جملے میں لفظ (With) لایا گیا ہے۔ ہم انگریزی کی کسی بھی مستند لغت میں سینٹ کا معنی دیکھ لیں یہ لفظ مقدس اور پاکیزہ کے معنوں میں ہے جو انسان بھی ہو سکتا ہے اور فرشتہ بھی۔ چنانچہ عیسائیوں کا نمایاں ترین قدیم مذہبی پیشوا پال (Paul) ہے جسے وہ "Saint paul" کہتے ہیں تو کیا یہ پال کوئی جن یا فرشتہ تھا؟۔ رومن کیتھولک چرچ کی اردو بائبل میں "دس ہزار" اور "لاکھوں" کی بجائے "ہزاروں" کا لفظ لکھ دیا گیا ہے حالانکہ قدیم اردو تراجم میں جملہ اسی طرح تھا "دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا" (۱۱۲)

صورت حال کو مزید واضح کرنے کے لئے ہم یہاں کنگ جیمس ورژن اور گڈ نیوز بائبل کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں تا کہ ان دونوں کے تقابل سے اہل کتاب کی ہماری آنکھوں کے سامنے دیدہ دلیری

سے کی جانے والی لگا تار تحریف پوری طرح واضح ہو جائے۔ کنگ جیمس ورژن:

The lord came from Senai. And rose up from Seir unto them, He shined forth from mount Paran, And he came with ten thousands of saints, from his right-hand went a firy law for them. Yea he loved the people; And his saints were in thy hands; And they sat down at thy feet; Every one shall recieve of thy words; even the inheritance of the Congregation of Jacob (113)

اب یونائیٹڈ بائیبل سوسائٹیز کی شائع کردہ گڈ نیوز بائیبل کا متن ملاحظہ ہو:

The Lord came from Mount Senai; he rose like the sun over Edom and shone on his people from Mount Paran. Ten thousand angels were with him. So we bow at his feet and obey his commands. We obey the law that Moses gave us, our nation's most treasured possession.

غور کیجئے کنگ جیمس ورژن کی عبارت "Ten thousands of saints" کی عبارت کو گڈ نیوز بائیبل میں "Ten thousand angels" سے بدل دیا گیا ہے اور کنگ جیمس ورژن کی عبارت "And they sat down at thy feet" کو یوں بدلا ہے کہ گڈ نیوز بائیبل میں جمع غائب کی ضمیر "They" کو جمع متکلم کی ضمیر "We" سے بدل کر عبارت یوں کی گئی ہے: "So we bow at his feet" ضمائر کی یہ تبدیلی آخر تک ہوتی چلی گئی ہے، کنگ جیمس ورژن کے متن کا آخری جملہ یہ ہے:

Even the inheritance of the congregation of Jacob.

اس جملے کا سیاق وسباق واضح کر رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ فاران کے سلسلے میں جس پیغمبر کی آمد کی بشارت دے رہے ہیں اس کے پیروکار حضرت یعقوب علیہ السلام کی جماعت کی میراث پر قابض ہونگے پیغمبروں کی وراثت سے مراد علوم نبوت کی وراثت ہے یعنی خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت حضرت یعقوبؑ کی جماعت یعنی بنو اسرائیل کی میراث پر قابض ہوگی۔ بالفاظ دیگر نبوت بنو اسرائیل سے لے کر بنو اسماعیل میں منتقل کر دی جائے گی۔ یہاں حضرت یسوع مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) کا یہ کلام بھی ذہن میں رکھئے ''اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی'' (۱۱۴)۔ اب دیکھئے گڈ نیوز بائبل میں

عبارت بدل کر جمع متکلم کی ضمیروں کے ساتھ یوں کر دی گئی۔

We obey the law that. Moses gave us our nation's most treasured possession.

حالانکہ کنگ جیمس ورژن والے متن میں یہاں کہیں بھی لفظ موسیٰ موجود نہیں اور وہاں ضمائر بھی جمع غائب کی ہیں۔ "Thy feet" اور "Thy words" تیرے پاؤں اور تیری باتوں میں یہاں مخاطب ''خداوند'' یعنی اللہ تعالیٰ ہے اور بائبل میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی مستعمل ہے مثلاً کتاب استثنا میں ہے ''اور تو اپنے دل میں خیال رکھنا کہ جس طرح آدمی اپنے بیٹے کو تنبیہ کرتا ہے ویسے ہی تیرا خداوند تیرا خدا تجھ کو تنبیہ کرتا ہے'' (۱۱۰) پس فاران والی مذکورہ بشارت میں ''تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو حاصل کریں گے'' سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے جو وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر کریں گے۔

کنگ جیمس ورژن میں ten thousands میں لفظ thousands کے ساتھ ''s'' لگا ہوا ہے۔ دھوکہ دینے کے لئے آج کل کسی بڑی تعداد کو ظاہر کرنے کے لئے ''دسیوں ہزار'' کا محاورہ لایا جاتا ہے۔ برطانیہ کے مشہور نشریاتی ادارے بی۔ بی۔ سی کی اردو نشریات میں ''دسیوں ہزار'' کے الفاظ بکثرت استعمال ہو رہے ہیں اس کے پیچھے جو ذہن کارفرما ہے اس کا علم تو شاید اس ادارے کی اردو خبریں نشر کرنے والوں کو بھی نہیں ہوگا۔ لیکن گڈ نیوز بائبل میں Ten thousand بغیر ''s'' ہی کے لکھا ہے۔ غور کیجئے اگر صحیح ترجمہ دسیوں ہزار کا ہوتا تو بائبل کے قدیم اردو مترجمین ایسے ناخواندہ تو نہ تھے کہ انہوں نے ترجمہ ''دس ہزار'' ہی کا کیا تھا۔ نیز جدید اردو تراجم میں بھی وہ ''دس ہزار'' کی بجائے ''لاکھوں'' نہ لکھتے۔ البتہ موجودہ عربی بائبل میں ''ربوات'' کا لفظ لایا گیا ہے جو ''ربوۃ'' بمعنی ''دس ہزار'' کی جمع ہے یعنی عربی بائبل میں واقعی دس ہزار کو اب ''دسیوں ہزار'' کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس قدر تحریف کے باوجود اہل کتاب اس دس ہزار سے پیچھا نہیں چھڑا سکے چنانچہ پرانے عہد نامے میں حضرت سلیمانؑ کی طرف غزال الغزلات کے نام سے منسوب ایک گیت کے کلمات یوں ہیں ''میرا محبوب سرخ و سفید ہے وہ دس ہزار میں ممتاز ہے'' (۱۱۶) اور اسی گیت میں آگے چل کر ہے ''اس کا منہ از بس شیریں ہے۔ ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے اے یروشلم کی بیٹیو! (۱۱۷) یہاں عبرانی بائبل میں اصل لفظ ''محمدیم'' ہے جس کا غلط ترجمہ ''عشق انگیز'' کیا گیا ہے۔

حضرت سلیمانؑ نے اپنے اس گیت میں دس ہزار میں ممتاز اپنے سرخ و سفید محبوب کا نام صاف اور

صریح الفاظ میں ''محمدؐ'' بتایا ہے۔ عبرانی میں اسم علم کے آخر میں ''I M'' لگانا بطور احترام کے ہوتا ہے مثلاً عبرانی میں ''Eloha'' کا معنی ہے ''معبود، خدا'' یہ وہی لفظ ہے جسے عربی میں ''الٰہ'' کہا جاتا ہے عبرانی میں اس کے ساتھ ''I M'' لگا کر ''Elohim'' الوہیم'' کہا جاتا ہے جو عربی میں ''اللّٰھم'' ہوگیا اسی طرح لفظ ''محمدؐ'' کے ساتھ یہاں عبرانی میں ایم لگا کر ''محمدیم'' کر دیا گیا ہے۔ (۱۱۸)

اب ہم اس فاران والی بشارت کا متن موجودہ اردو بائبل پروٹسٹنٹ چرچ سے پیش کرتے ہیں ''اور مرد خدا موسیٰ نے جو دعائے خیر دے کر اپنی وفات سے پہلے بنی اسرائیل کو برکت دی وہ یہ ہے۔ اور اس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے دہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت تھی اور وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں میں بیٹھے ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا موسیٰ نے ہم کو شریعت اور یعقوب کی جماعت کے لئے میراث دی''۔

کنگ جیمس ورژن اور گڈ نیوز بائبل کے انگریزی متون اور اسی طرح قدیم و جدید اردو تراجم کا تقابل کریں تو اس سوال کا جواب آسانی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بائبل کے ناشرین کو آخر اس قدر تحریف و تصحیف کے لئے انتھک محنت کی بار بار ضرورت کیوں محسوس ہوتی رہی ہے۔ واللّٰہ یَھْدِی مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍO فاران ہی کے حوالے سے کتاب پیدائش میں ہے ''اور خدا اس لڑکے (اسماعیل) کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا۔ اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے اس کے لئے بیوی لی''۔ (۱۱۹) اور اسی کتاب پیدائش میں حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹوں کے نام بتائے گئے ہیں اور یہ بھی لکھا گیا ہے کہ ان کے ناموں سے ان کی بستیاں اور چھاؤنیاں آباد ہوئی تھیں (۱۲۰) ان ناموں میں ایک نام ''نبیت'' (نابت) ہے چنانچہ ینبوع سے متصل ایک آبادی ملتی ہے جس کا نام نبیت ہے۔ ایک بیٹے کا نام دُومہ ہے چنانچہ شام اور مدینہ کے درمیان دُومہ نام کا شہر موجود ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں یہاں عیسائی آباد تھے اور یہ شہر تا حال دُومۃ الجندل کے نام سے مشہور چلا آ رہا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام تیما تھا۔ خیبر کے قریب فدک سے متصل اس نام کا علاقہ اب تک موجود ہے۔ غزوہ خیبر کے ایام میں تیماء میں بھی یہودی آباد تھے جنہوں نے لڑے بغیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لی تھی۔ (۱۲۱)

کتاب یسعیاہ میں ہے ''اونٹوں کی قطاریں اور مدیان اور عیفہ کی سانڈنیاں آ کر تیرے گرد بے شمار

ہوں گی۔ وہ سب سبا سے آئیں گے اور سونا اور لوبان لائیں گے اور خداوند کی حمد کا اعلان کریں گے۔ قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہونگی۔ نبایوت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہونگے وہ میرے مذبح پر مقتول ہونگے اور میں اپنی شوکت کے گھر کو جلال بخشوں گا۔(۱۲۲) مِدیان' حضرت ابراہیمؑ سے ان کی تیسری اہلیہ قطورہ کے چھ بیٹوں میں سے ہے اور عیفہ (عیفا) مِدیان کے پانچ بیٹوں میں سے ہے۔ جبکہ سبا حضرت ابراہیمؑ کے قطورہ کے بطن سے پیدا ہونے والے بیٹے یُقسان کا بیٹا ہے۔ قیدار اور نبایوت' حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹوں میں سے ہیں (۱۲۳) اس سے معلوم ہوا کہ یہاں بنوقطورہ اور بنواسماعیلؑ مراد ہیں اور جس مذبح پر ان کے جانور مذبوح ہوں گے اسے شوکت کا گھر بتایا گیا ہے جو مکہ مکرمہ میں واقع کعبہ معظمہ کے وصفی نام ''البیت الحرام'' کا ہی ترجمہ ہے۔

اس مضمون کے شروع میں بھی ہم نے کتاب یُسعیاہ کی ایک عبارت لکھی ہے جس کی ابتدا میں ہے ''عرب کی بابت بارِ نبوت'' اور اس میں بنی قیدار کا ذکر ہے اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قیدار بن اسماعیل کی اولاد کا مسکن اور وطن عرب کا علاقہ ہے۔ اور اسی عبارت میں یہ بھی ہے کہ تیما کے باشندے روٹی لے کر بھاگنے والے سے ملنے کو نکلے۔ اور اس عبارت کے شروع میں دوانیوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔

دوان حضرت ابراہیمؑ کی اہلیہ قطورہ کے بطن سے پیدا ہونے والے بیٹے یُقسان کا بیٹا ہے یعنی حضرت ابراہیمؑ کا پوتا ہے اور اوپر جس سبا کا ذکر ہوا تھا وہ اسی دوان کا بھائی ہے (۱۲۴)۔ سبا اور ددان کی اولاد جنوبی عرب یعنی یمن میں آباد ہوئی تھی۔ سیل عرم کے آنے سے یہ قبائل وہاں سے ترکِ وطن پر مجبور ہوئے اوس وخزرج کے قبائل جو یمن سے ترک وطن کر کے مدینے میں آباد ہوئے تھے اور جو بعد میں انصار کہلائے بعض مؤرخین مثلاً ابن خلدون کے نزدیک انہی دوانیوں میں سے ہیں۔ تیما' حضرت اسماعیلؑ کے آٹھویں بیٹے کا نام ہے جس کی اولاد مدینے کے عقب میں آباد ہوئی۔ یُسعیاہ کی اس زیرِ نظر عبارت میں یہ بھی ہے کہ تیما کی سرزمین کے باشندے روٹی لے کر بھاگنے والے سے ملنے کو نکلے' پیاسے کے پاس پانی لائے'' اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مہاجرین صحابہ کرامؓ کی طرف اشارہ ہے کہ دوانیوں اور تیما کے باشندوں یعنی انصار مدینہ نے ان مہاجرین کا استقبال کیا اور ان کی معاشی ضروریات کے کفیل ہوئے۔ اسی عبارت میں ہے'' کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں'' اس میں مہاجرین کے مظلوم ہونے اور قریش مکہ کے ظالم ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان کے ظلم اور سختی سے تنگ آکر یہ مہاجرین مکہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔

یسعیاہ کی اسی عبارت میں ہے ''کیونکہ خداوند نے مجھ سے یوں فرمایا کہ مزدور کے برسوں کے مطابق ایک برس کے اندر اندر قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی'' اس میں اشارہ ہے کہ قریش مکہ کو جلد شکست کا سامنا کرنا پڑے گا چنانچہ غزوہ بدر میں ایسا ہی ہوا۔ قریش مکہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیدار بن اسماعیل کی اولاد سے ہیں۔ غزوہ بدر ہجرت سے ایک سال اور کوئی پانچ ماہ بعد پیش آیا تھا لہٰذا کتاب یسعیاہ کی زیر نظر عبارت میں ''ایک برس کے اندر اندر'' کے کلمات اہل کتاب کی تحریف ہے تاکہ یسعیاہ کا یہ مضمون ہجرت مدینہ پر چسپاں نہ ہو سکے اس تحریف کا بیّن ثبوت ہمیں عربی بائبل سے ملتا ہے جس میں متعلقہ جملہ یوں ہے:

فانه هٰكذا قال لی السیّد فی مُدّة سَنَةٍ كسنةِ الاجیر یغنیٰ كلّ مجد قیدار

یعنی اسی طرح خدا نے مجھ سے فرمایا ہے کہ مزدور کے سال کی طرح ایک سال کی مدت میں قیدار کی ساری شوکت جاتی رہے گی۔

یہاں ''سال کے اندر اندر'' کی قید نہیں جب سال یا سالوں کا مُطلق ذکر کیا جاتا ہے تو لسانی محاورت کے بعد کسر کو بسا اوقات حذف کر دیا جاتا ہے خصوصا جبکہ وہ نصف سے کم ہو۔ پھر مزدور لوگ عموماً ناخواندہ ہوتے ہیں وہ صحیح اعداد کے ساتھ کسور کو خاطر میں نہیں لاتے۔

مذکورہ بالا مباحث سے یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ قیدار بن اسماعیل کی نسل کا خصوصاً اور حضرت اسماعیلؑ کے دیگر بیٹوں کی اولاد کا بھی مسکن عرب کا علاقہ تھا پس جس وادیٔ فاران میں حضرت اسماعیلؑ آباد ہوئے تھے یہ مکہ کی وادی اور مکہ کا بیابان تھا پس اگر بالفرض فاران نام کے اور بیسیوں مقامات بھی ہوں تو یہاں عرب کا فاران مراد لیا جائے گا۔ اسی طرح سلع نام کے اور بھی متعدد مقامات ہوں تو یہاں لازماً عرب کا سلع یعنی مدینہ منورہ ہی مراد لیا جائیگا۔ حقائق ثابتہ نہ تو کسی کے اقرار کے محتاج ہوا کرتے ہیں اور نہ ہی کسی کے انکار سے وہ متاثر ہوتے ہیں۔

(و) تلخیص مباحث اور قدامت مکہ کا مزید ثبوت

گزشتہ صفحات میں مختلف عنوانات کے تحت دی گئی تفصیلات سے درج ذیل امور واضح ہوئے:

۱۔ حضرت اسماعیلؑ کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جس بیابان میں آباد کیا گیا تھا جسے تورات میں فاران کا بیابان کہا گیا ہے، وہ جزیرۃ العرب میں مکہ کا بیابان تھا۔

۲۔ مکہ کا پرانا نام بکّہ تھا جو بائبل کے پرانے نسخوں میں موجود تھا جسے بعد میں ’’وادیٔ بکاء‘‘ کر دیا گیا۔

۳۔ جب حضرت ہاجرہؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کو غیر آباد وادیٔ مکہ میں آباد کیا گیا تھا اس وقت حضرت اسماعیلؑ شیر خوار بچے تھے۔

۴۔ ابھی حضرت سارہؓ سے حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے صاحبزادے حضرت اسحاقؑ پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ ابھی ان کی ولادت کی بشارت بھی نہیں دی گئی تھی کہ حضرت ابراہیمؑ کو اپنے اکلوتے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کرنے کا حکم ملا۔

۵۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کا کوئی اور بیٹا نہیں تھا اس لئے اس وقت حضرت اسماعیلؑ پہلوٹھے، اکلوتے اور محبوب بیٹے تھے۔

۶۔ تورات سے ثابت ہے کہ جانوروں کے پہلوٹھے بچے ہی قربانی کے لئے پیش کئے جاتے تھے اسی طرح انسانوں میں خدا کا خادم ٹھہرانے کے لئے پہلوٹھے بچوں کا ہی انتخاب کیا جاتا تھا۔ پہلوٹھے بیٹے اور اس کی ماں کو خاص الخاص عزت اور احترام حاصل ہوا کرتا تھا۔

۷۔ حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی بشارت کے موقع پر اور بعد میں ان کی مدت رضاعت کے اختتام پر حضرت ابراہیمؑ کو کھلی اور صاف صاف بشارت سنائی گئی تھی کہ حضرت اسحاقؑ صاحب اولاد اور بہت سی قوموں کے باپ ہوں گے۔ اور اسی بشارت کے تحت حضرت اسحاقؑ کے ہاں حضرت یعقوبؑ کی پیدائش حضرت ابراہیمؑ کی زندگی میں ہی ہوئی تھی اس لئے یہ بات نہایت لغو اور خلاف عقل ہے کہ جب حضرت اسحاقؑ چھوٹے تھے بالغ اور صاحب اولاد نہیں ہوئے تھے تو حضرت ابراہیمؑ کو ان کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور یہ کہ وہ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کے اکلوتے بیٹے تھے۔

۸۔ حضرت ابراہیمؑ کو اپنا اکلوتا بیٹا ذبح کرنے کا حکم ملا تھا حضرت اسحاقؑ ان کے اکلوتے بیٹے نہیں تھے جبکہ حضرت اسماعیلؑ جو حضرت اسحاقؑ سے چودہ برس بڑے تھے، چودہ برس کی طویل مدت تک اکلوتے بیٹے کی حیثیت کے حامل رہے۔

۹۔ ذبح کے واقعے میں حضرت ابراہیمؑ کی کامل اور بھرپور آزمائش مقصود تھی اس لئے حضرت اسماعیلؑ کے ذبیح اللہ بننے کے بعد بھی کچھ عرصے تک حضرت ابراہیمؑ کو یہ علم نہیں تھا کہ حضرت اسماعیلؑ زندہ رہیں گے اور صاحب اولاد ہوں گے چنانچہ جب حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ کے پیدا ہونے کی

بشارت ملی تو انہوں نے تیرہ سالہ حضرت اسماعیلؑ کے لئے اللہ تعالیٰ سے درازیٔ عمر کی دعا یوں مانگی ''کاش اسماعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے'' اس پر انہیں حضرت اسماعیلؑ کے متعلق بھی بشارت دی گئی کہ اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہونگے اور اسے میں بڑی قوم بناؤں گا۔ یوں حضرت اسماعیلؑ اور بنو اسماعیل کسی بھی طرح حضرت اسحاقؑ اور بنو اسرائیل سے کم تر نہیں ہیں۔

۱۰۔ جو مقام و مرتبہ اور جو شان و شوکت حضرت سارہؓ کو حاصل ہے، حضرت ہاجرہؓ کسی طرح بھی ان سے کمتر نہیں بلکہ بعض حیثیتوں سے حضرت سارہؓ سے بھی بڑھ کر ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کے پہلوٹھے اور اکلوتے بیٹے کی ماں ہونے کا اعزاز بھی صرف انہیں حاصل ہوا۔

۱۱۔ بنو اسماعیل اور بنو قطورہ کے جانوروں کا مذبح خدا کی شوکت کا گھر یعنی البیت الحرام، کعبہ مکرمہ تھا۔ بنو اسماعیل اور بنو قطورہ دونوں عرب میں آباد تھے۔ بنو قطورہ جنوبی عرب یعنی یمن میں تھے۔

۱۲۔ جس طرح بنو اسماعیل کے سلسلے میں فاران سے عرب کا فاران (مکہ) مراد ہے اسی طرح سلع سے بھی عرب کا سلع (مدینہ) مراد ہے۔ سلع کے باشندوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری پر گیت گائے تھے اور قیدار کے آباد گاؤں یعنی بنو اسماعیل کی بستیاں بلند آواز سے ہمیشہ سے حج اور عمرے کے موقع پر تلبیہ کے کلمات ادا کر کے خدا کی سرتاپا ستائش کرتی چلی آئی ہیں۔

۱۳۔ فاران اور سلع کے مقامات کی مناسبت سے محرّف بائبل میں اب بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبریں موجود ہیں جن پر اہل کتاب کی طرف سے تحریف کی مشق جاری رہی ہے۔ دیگر بشارات ان کے علاوہ ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

۱۴۔ خود تورات کے مضامین سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت اسحاقؑ کو حضرت ابراہیمؑ کا اکلوتا بیٹا قرار دے کر ذبیح ٹھہرانا تورات میں بدترین تحریف ہے اور تورات میں یہ ظاہر کرنا کہ جب حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کو مکہ کے بیابان میں چھوڑا گیا تھا تو اس وقت حضرت اسماعیلؑ کوئی سولہ برس کے تھے، خود تورات کے دیگر مضامین سے غلط ثابت ہو رہا ہے اس وقت حضرت اسماعیلؑ خورد سال تھے اور ماں کی گود میں اٹھائے جانے کے لائق تھے۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں مکہ مکرمہ کا نہایت قدیم شہر ہونا بھی ثابت ہو گیا اور ظنی تاریخی جزئیات کو توڑ موڑ کر بعض مستشرقین کا یہ استدلال پیش کرنا قطعاً غلط ٹھہرا کہ مکہ قدیم شہر نہیں ہے۔ کعبہ کے

احترام میں مکہ کے لوگوں نے عرصہ دراز تک اس شہر میں خیموں میں زندگی بسر کی اور مکان تعمیر نہ کئے اس لئے مارگولیس جیسے متعصب مستشرقین کا یہ کہنا کوئی وزن نہیں رکھتا کہ فلاں نے فلاں وقت مکہ میں سب سے پہلے مکان بنایا تھا لہٰذا مکہ قدیم شہر نہیں ہے۔ (۱۲۵) اس شہر کے قدیم ہونیکی مزید شہادت یہ ہے کہ یونان کے قدیم جغرافیہ دان بطلیموس نے اس شہر کا نام ''Maeoraba'' لکھا ہے۔ یمن کے قدیم حکمران ال سبا بھی اسے مکورابہ کہتے تھے۔ جس کا معنیٰ مقدس اور محترم کا ہے یعنی مکورابہ بمعنی البلد الحرام ہے (۱۲۶)

الغرض مکہ کا قدیم شہر ہونا، حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کا مکہ کے بیابان میں آباد ہونا، بنو اسماعیل کا جزیرۃ العرب کو اپنا مسکن بنانا، حضرت اسماعیلؑ کا ذبیح اللہ ہونا، مکہ اور اس کے قرب و جوار کا قربان گاہ ہونا وغیرہ بیشتر حقائق بائبل اور قرآن دونوں سے بخوبی ثابت ہیں اور طبقاتی تواتر بھی ان روشن حقائق کی پشت پر ہے۔

(ز) حرمتِ مکہ

مکہ مکرمہ میں موجود خانہ کعبہ (بیت اللہ) انتہائی مقدس اور بابرکت مقام ہے اسی کی بدولت مکہ مکرمہ اور اس کے اردگرد چاروں طرف کچھ معینہ علاقائی حدود کو حدود حرم کی حیثیت زمانہ قدیم سے حاصل رہی ہے۔ یہاں کشت وخون، فتنہ وفساد اور جنگ وجدال کو سخت معیوب اور سنگین جرم تصور کیا جاتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکی دور میں غیر مسلم قریش مکہ نے خود کو کفر و شرک پر قائم رکھتے ہوئے اپنے ہی ہم نسب مسلمانوں کو ناروا سخت اذیتیں پہنچائیں انہیں دو مرتبہ ہجرت حبشہ اور بعد ازاں ہجرت مدینہ پر مجبور کر کے کعبہ اور مکہ مکرمہ کی حرمت کو پامال کیا دور جاہلیت میں قبیلہ قریش خانہ کعبہ کا متولی اور سرپرست ہونے کی وجہ سے دیگر تمام قبائل عرب میں معزز ومحترم گردانا جاتا تھا اسی لئے شام وروم وغیرہ کے علاقوں میں موسم گرما وسرما میں ان کے رواں دواں تجارتی قافلے لوٹ مار وغیرہ سے عموماً محفوظ رہتے تھے قریش مکہ کو حاصل اس گراں بہا نعمت وسہولت کا ذکر قرآن کریم کی سورہ قریش میں کیا گیا ہے کعبہ مکرمہ سے ملحق اور منسلک چاروں طرف سے اس کا احاطہ کرنے والی مسجد کو دور جاہلیت میں بھی المسجد الحرام (حرمت والی مسجد) کہا جاتا تھا۔ ہر زمانہ میں پیش آمدہ صورت حال کے پیش نظر حسب موقع وضرورت اس مسجد میں توسیع کا سلسلہ برابر جاری رہا ہے۔

(ح) مکہ کی تجارتی حیثیت

حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے اثر سے مکہ مکرمہ میں شروع ہی سے رزق کی فراوانی رہی ہے سامان خورد ونوش کے علاوہ دنیا بھر کی مصنوعات وہاں پہنچتی ہیں اور ابتدا ہی سے اس شہر کی تجارتی حیثیت نمایاں رہی ہے چنانچہ دور جاہلیت میں بھی قریش مکہ کا پیشہ تجارت تھا جس میں مرد وزن سب حصہ لیتے تھے۔ قصی بن کلاب کے پوتوں ہاشم، عبد مناف، عبد شمس، مطلب اور نوفل نے یمن وحبشہ کے حکمرانوں قیصرِ روم اور کسرائے فارس سے تجارتی راہ داری حاصل کر رکھی تھی۔ (۱۲۷) ایام حج میں عکاظ مجنۃ اور ذوالمجاز کے زیر دست تجارتی میلے لگتے تھے جن میں اہل مکہ کا سامان بحفاظت پہنچتا اور فروخت ہوتا تھا۔ نیز وہ خیبر اور دومۃ الجندل وغیرہ کے بازاروں میں بھی اپنا سامان فروخت کرتے تھے۔ مکہ اس عظیم شاہراہ پر واقع تھا جسے ''مصالحہ کی شاہراہ'' کہا جاتا تھا۔ اس شاہراہ یا ''امام مبین'' کا ایک اہم مرکز مکہ مکرمہ بھی تھا۔ بحر ہند سے اتر کر تجارتی قافلے یمن کے شہر مآرب پہنچتے۔ وہاں سے فلسطینی شہر غزہ سے ہوتے ہوئے مصر وشام تک جایا کرتے تھے اس تمام تجارتی کاروبار میں مکہ مکرمہ غیر زرعی علاقہ ہونے کے باوجود اردگرد کے علاقوں سے پھل، غلہ، کھجور، مصالحہ جات، عطریات، عمدہ برتنوں اور نفیس کپڑوں کے پہنچنے سے عظیم تجارتی مرکز کی حیثیت سے مشہور ومعروف تھا۔

(ط) مکہ کے طبعی حالات

مکہ جنوبی حجاز کے خطہ تہامہ میں واقع ہے۔ جدہ سے اس کا فاصلہ ۷۲ کلومیٹر مغرب کی طرف ہے۔ شہر کے دونوں طرف خشک اور بنجر پہاڑ جبل عرفات، جبل ثور، جبل ابوقبیس اور جبل ثبیر ہیں۔ ایک نشیبی وادی میں واقع ہونے کی وجہ سے کبھی کبھی بارش ہو جانے سے یہ شہر سیلابی ریلوں کی زد میں آ جاتا ہے جس سے شہر کو کافی نقصان پہنچتا ہے۔ اسی لئے مکہ کو بطحاء بھی کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک سیلابی ریلے کی وجہ سے کعبہ کی عمارت کو بھی سخت نقصان پہنچا تھا اور قریش مکہ کو سال ۳۵ نبوی بہ مطابق ۶۰۲ عیسوی میں اسے از سر نو تعمیر کرنا پڑا۔ موسم گرما میں شدید گرمی پڑتی ہے۔ البتہ موسم سرما میں دن کے وقت سردی کی عموماً شدت نہیں ہوتی بارش بہت کم ہوتی ہے۔ میدانی حصہ بھی پتھریلا اور ناقابل کاشت ہے۔ بحر احمر سے مکہ کا فاصلہ تقریباً ۷۲ کلومیٹر ہے۔ یہ شہر شرقاً غرباً کوئی تین کلومیٹر لمبا اور جنوباً شمالاً دو کلومیٹر چوڑا ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی ۳۳۰ میٹر ہے بعثت نبوی کے زمانہ میں شہر کے مضافات میں رہنے والے قریشی قبائل کو قریش

الظواہر اور شہر کے اندر رہنے والے قریشی قبائل کو قریش البطائح کہا جاتا تھا۔ قریش الظواہر کے پڑوس میں بنو کنانہ کا مسکن تھا۔ مکہ کے زیریں حصے میں ایک پہاڑ حبشی ہے اس کے متصل رہنے والے قبائل کو احابیش کہا جاتا تھا۔ یہ قریش کے حلیف تھے۔ مکے کی جنوبی پہاڑیوں کے نواح میں قبائل ہذیل آباد تھے اور جنوب کی وادی القریٰ بھی متعدد قبائل کا مسکن تھی۔ مشہور و معروف غار حرا مکہ کے شمال میں اور غار ثور مکہ کے جنوب میں ہے۔ بیت اللہ (کعبہ) اور آب زمزم نے اس شہر کو شہرت دوام عطا کی ہے۔ اس شہر کی بنیاد بعض محققین کے نزدیک ۲۰۵۰ قبل مسیح / ۲۷۰۴ قبل ہجرت میں رکھی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس شہر یا اس کے گرد نواح میں پہلے عرب بائدہ کے قبائل عمالقہ آباد تھے پھر بنو جرہم یہاں آئے لیکن صحیح بخاری کی متعلقہ روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسے سب سے پہلے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہؑ اور ان کے بطن سے پیدا ہونے والے شیر خوار صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کو وہاں بسا کر آباد کیا۔ (۱۲۸)

یثرب (مدینہ منورہ)

خطہ حجاز کی شہرت کا سبب بننے والا دوسرا بڑا اور نمایاں شہر یثرب ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے سال تیرہ، چودہ نبوی/۶۲۲ عیسوی میں مکہ مکرمہ سے اسی شہر میں ہجرت فرمائی تھی۔ یہ شہر عرب قبائل اوس و خزرج کا مسکن تھا اور اس سے ملحق علاقے میں یہودیوں کے تین قبیلے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ آباد تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شہر میں ہجرت کے بعد اس کا نام یثرب کی بجائے پہلے مدینۃ النبی ﷺ اور پھر مدینہ منورہ یوں مشہور ہوا کہ یثرب کا لفظ قصہ پارینہ ہو گیا۔ اوس و خزرج کے قبائل نے قبول اسلام کے بعد مکہ مکرمہ میں مقیم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے مظلوم اصحاب کو مدینہ کی جانب ہجرت کرنے کی پیش کش کی۔ ہجرت کے بعد آپ نے اوس و خزرج اور مکہ سے ہجرت کر کے یہاں آنے والے نادار اور بیکس مہاجرین میں مواخات (بھائی چارے) کا باقاعدہ سلسلہ قائم فرمایا۔ اوس و خزرج نے بے مثال ایثار سے کام لیتے ہوئے اپنے مہاجر بھائیوں کی ہر طرح سے بھرپور مدد کی اور انہیں غریب الوطنی کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ اسی لئے اوس و خزرج کے ان مسلم قبائل کو مہاجرین کے بالمقابل انصار کا پاکیزہ لقب عطا کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مہاجرین و انصار کی بارہا مدح فرمائی ہے مثلاً انہیں پکے مومن قرار دیا اور انہیں مغفرت اور رزق کریم کی بشارت سنائی۔ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ہی مستقل قیام فرمایا اور مسجد

نبوی سے متصل ازواج مطہرات کے لئے جو حجرے بنائے گئے تھے، ان میں سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں ہی آپ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی اور یہیں مدفون ہوئے۔ آپ کے ساتھ اسی جگہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی مدفون ہیں۔ بشمول حجرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ امہات المؤمنین یعنی ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب حجرے مسجد نبوی کا ہی حصہ ہیں۔ ہجرت کے موقع پر مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے متصل مقام قباء میں قیام فرمایا تھا وہاں آپ نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی جسے مسجد قباء کہا جاتا ہے، قباء میں چند روز قیام کے بعد مدینہ منورہ میں تشریف آوری پر آپ نے یہاں جس مسجد کی بنیاد رکھی وہ مسجد نبوی کے مبارک نام سے موسوم و مشہور ہوئی۔ مسجد حرام کی طرح اس مسجد میں بھی ہر دور میں توسیع ہوتی رہی ہے۔ مکہ مکرمہ کی مسجد حرام، مدینہ منورہ کی مسجد نبوی اور فلسطین میں واقع بیت المقدس (یروشلم/ایلیاہ) کی مسجد اقصیٰ کو دیگر تمام مساجد پر فضیلت حاصل ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا تشدوا الرحال الّا الیٰ ثلٰثۃ مساجد مسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ و مسجدی ھٰذا (۱۲۹)

تین مساجد مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد (مسجد نبوی) کے علاوہ اور (کسی مسجد) کے لئے (اونٹوں پر) کجاوے نہ باندھو۔

یعنی ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے لئے لمبا سفر نہ کرو۔ مدینے کے لوگوں کی معیشت کا زیادہ تر انحصار زراعت پر تھا۔ یہاں اوس وخزرج اور یہودیوں کے کھجور کے باغات تھے ساتھ ہی یہ لوگ ایک حد تک تجارت سے بھی وابستہ تھے۔ مدینے میں سلع نام کا پہاڑ بائبل میں بھی مذکور ہے اور بائبل میں سلع کے جن باشندوں کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مدینہ منورہ کے لوگ ہی مراد ہیں۔ سلع کے حوالے سے بائبل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق موجود بشارات کا ذکر گزشتہ صفحات میں مکہ مکرمہ کے مباحث میں ہو چکا ہے۔ مدینہ کا شہر مکہ معظمہ کے شمال میں تقریباً تین سو میل/۴۸۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

زمانہ قدیم سے ہی مدینہ تجارتی قافلوں کے راستے پر واقع تھا۔ یہ خلفائے راشدین کا دارالخلافہ رہا۔ کہا جاتا ہے کہ اس شہر کی بنیاد ۱۶۰۰ ق م/ ۲۲۹۰ ق ھ میں رکھی گئی تھی پہلے یہاں عرب بائدہ آباد تھے۔ بعد میں بخت نصر کے دور میں جب یہودیوں کو بیت المقدس اور فلسطین سے نکلنا پڑا تو کچھ یہودی قبائل یہاں آ گئے پھر یمن میں سد مارب ٹوٹنے سے اوس اور خزراج کے قبائل ترک وطن کر کے یہاں پہنچ گئے۔ (۱۳۰)

طائف

بعثت نبوی کے زمانہ میں حجاز کے جن شہروں کو شہرت حاصل تھی ان میں طائف کا شہر بھی ہے یہ مکہ مکرمہ سے جنوب مشرق کی جانب کوئی ایک سو بیس کلومیٹر کے فاصلے پر بلند سطح پر واقع ہے۔ یہ نہایت زرخیز علاقہ ہے۔ انگور، انار وغیرہ کی پیداوار کے لئے مشہور ہے موسم گرما میں اس کی آب و ہوا نہایت خوش گوار ہوتی ہے دور جاہلیت اور دور نبوی میں یہاں قبیلہ ثقیف کے لوگ آباد تھے۔ جو تیز مزاج، سخت گیر اور تند خو تھے۔

عرب کے قحطانی قبائل

قحطانی قبائل سبا کی نسل سے ہیں جن کا مسکن جنوبی عرب یعنی یمن کا علاقہ تھا۔ عرب مورخین کے خیال میں سبا کا اصل نام عامر یا عبد شمس ہے اور سبا اس کا لقب ہے۔ سبا کا لفظ ان کے خیال میں ''سبی'' بمعنی قید کرنا سے ماخوذ ہے کہا جاتا ہے کہ سبا نے جنگ میں پکڑے جانے والوں کو سب سے پہلے جنگی قیدی بنایا تھا اس لئے اس کا لقب سبا ہوا۔ اسے رائش بھی کہا جاتا تھا کیونکہ وہ اپنے مال سے لوگوں کو عطایا اور تحائف دیا کرتا تھا۔ (۱۳۲) بعض محققین کا خیال ہے کہ سبا کا لفظ اپنے اندر تجارت اور کاروبار کا مفہوم رکھتا ہے چنانچہ سبا الخمر کا معنی ہے، شراب کی خرید و فروخت کی۔ قوم سبا چونکہ تجارت پیشہ تھی اس لئے سبا کے نام سے مشہور ہوگئی۔

سبا کا نسب نامہ عرب مؤرخین کے نزدیک یوں ہے: عبد شمس (سبا) بن یشجب بن یعرب بن قحطان (۱۳۳/۱) تاہم تورات میں سبا کو یقطان کا بیٹا ظاہر کیا گیا ہے۔ عرب جسے قحطان کہتے ہیں عبرانی اور سریانی میں اسی کو یقطان کہا گیا ہے۔ سبا کا بہ مطابق تورات نوح علیہ السلام تک نسب نامہ یہ ہے: سبا بن یقطان بن عبر بن سلح بن فلسد بن سم بن نوح (۱۳۳/۲)

سبا کی نسل سے پھر پانچ خاندان وجود پذیر ہوئے جن میں حمیر، کہلان اور اشعر یادہ مشہور ہیں دیگر خاندانوں کا تعلق عمرو اور عاملہ سے ہے۔ قبائل حمیر کی شاخوں میں یحصب السلف، ذی رعین، ضنہ بن سعد اور سلامان بن سعد نے شہرت حاصل کی۔ بعض نسابین نے قبائل قضاعہ کو بھی حمیر سے قرار دیا ہے لیکن بہت سے دیگر ماہرین انساب نے انہیں عدنانی قبائل میں شمار کیا ہے۔ کہلان کی مشہور شاخیں طئی، بنو نبہان، بنو ثعل، بنو تیم بن ثعلبہ، بنو مراد، کندہ، تجیب، ہمدان، وداعہ، مذحج، عنس، زبید، جدیلہ، نخع، ازد اور دوس ہیں۔ مدینہ منورہ کے مشہور قبائل اوس اور خزرج کا تعلق ازد سے جوڑا جاتا ہے لیکن صحیح بخاری کی حدیث

کے مطابق یہ اسماعیلی عرب ہیں اور نسابین کا ایک گروہ انہیں حضرت اسماعیلؑ کے صاحبزادے نابت کی اولاد شمار کرتا ہے۔ (۱۳۴) ایک خیال یہ بھی ہے کہ ان کا تعلق بنوقطورہ کی دوانی نسل سے ہے۔ اشعر کی طرف جن قبائل کی نسبت کی جاتی ہے انہیں الاشعرین کہا جاتا ہے یہ اپنی عددی کثرت کے اعتبار سے یمن کے قحطانی قبائل میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ عمرو کی شاخوں میں لخم، جذام، حدس، اور داریون کے قبیلے مشہور ہیں تاہم بہت سے ماہرین انساب کا خیال ہے کہ یہ درحقیقت عدنانی شاخ مُضر سے تعلق رکھتے ہیں۔ عاملہ کے قبائل کی تعداد بہت کم ہے اور بقول بعض ان کا تعلق بھی اسمٰعیلی عربوں سے ہے اور یہ عدنانی قبیلے کی شاخ بنوربیعہ سے ہیں۔ (۱/۱۳۵)

قحطانی قبائل کی قدیم عرب حکومتیں

(الف) سبا کی حکومت: سبا (عبدشمس) کا زمانہ کوئی ۲۵۰۰ قبل مسیح / ۳۲۱۸ قبل ہجرت کا ہے (۱۳۶) اس کی اولاد جنوبی عرب یعنی یمن میں پھلتی پھولتی رہی بعد میں دنیا کی انتہائی متمدن اور ترقی یافتہ اقوام میں شمار ہوئی۔ آل سبا نے یمن میں شاندار حکومت قائم کی۔ بائبل کی کتب مثلاً زبور، یرمیاہ، حزقی ایل، یسعیاہ اور ایوب وغیرہ میں بھی سبا کا ذکر بکثرت ہوا ہے، مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں یہ دعا مذکور ہے ''اے خدا! بادشاہ کو اپنے احکام اور شاہزادوں کو اپنی صداقت عطا فرما'' وہ صداقت سے تیرے لوگوں کی اور انصاف سے تیرے غریبوں کی عدالت کرے گا ترسیس کے جزیروں کے بادشاہ نذریں گزراش گے۔ سبا اور سیبا کے بادشاہ ہدیے لائیں گے۔ وہ جیتے رہیں گے اور سبا کا سونا اس کو دیا جائے گا لوگ برابر اس کے حق میں دعا کریں گے وہ دن بھر اسے دعادیں گے۔ (۱۳۷)

حضرت داؤد علیہ السلام کی اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا اور ان کے فرزند ارجمند حضرت سلیمانؑ کی حکومت اور سلطنت کو لازوال شہرت حاصل ہوئی اور تقریباً ۹۵۰ قبل مسیح / ۱۲۶۱ قبل ہجرت میں یمن کی ملکہ سبا نے حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر ہوکر کثیر مقدار میں سونا اور جواہرات پیش کئے بلکہ کواکب پرستی چھوڑ کر اسلام بھی قبول کرلیا۔ ملکہ سبا کا ذکر قرآن کریم کی سورہ نمل میں ہے۔ (۱۳۸) قبل مسیح اور بعد مسیح ادوار کے یونانی اور رومی مؤرخین و جغرافیہ نویس بھی اس قوم کا اپنی تصانیف میں ذکر کرتے ہیں۔ دور حاضر کی اثری تحقیقات اور کھنڈرات سے برآمد ہونے والے کتبات اور دیگر آثار سے بھی دور سبا کے متعلق بعض اہم معلومات حاصل ہوئی ہیں ملکہ سبا جس کا نام بلقیس بتایا جاتا ہے، کا

زمانہ ۹۶۰۔۹۲۶ ق م/ ۱۶۳۷۔۱۰۹۶ قبل ہجرت خیال کیا جاتا ہے یہ لوگ آفتاب و ماہتاب اور دیگر کواکب زہرہ وغیرہ کے پجاری تھے ان کا سب سے بڑا دیوتا المقہ (چاند دیوتا) تھا۔ یمن سے برآمد ہونے والے بہت سے کتبات سے ثابت ہوتا ہے کہ ملک میں ان دیوتاؤں اور خصوصا المقہ کے معبودوں کی بھرمار تھی تاہم قبل مسیح زمانے کے بعض کتبات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عبادت گاہیں ذُسموی یا ذوسماوی (یعنی ربُّ السماء) کی عبادت کے لئے بنائی گئی تھیں اور اس معبود کا نام ملکن ذسموی (ملک ذوالسماء، آسمان والا بادشاہ) لکھا ہے یہ کتبات تقریباً ۶۵۰ ق م/۱۳۱۱ قبل ہجرت کے ہیں۔ بعد مسیح کے کتبات میں اس طرح کے بعض اور آثار دستیاب ہوئے ہیں ۳۷۸ عیسوی/۲۵۳ قبل ہجرت کے ایک کتبے میں الہٰ ذوسموی کے نام سے ایک معبد کا ذکر ملتا ہے۔ ۴۶۵ عیسوی/۱۶۳ قبل ہجرت کے ایک کتبے کے الفاظ یہ ہیں:

بنصر و ردا الھٰن بصل سمین و ارضین

یعنی اس معبود کی عدد اور تائید سے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔

۴۵۸ء/ ۱۷۰ قبل ہجرت کے ایک کتبے میں بردارحمٰن (رحمٰن کی مدد سے) کے کلمات پائے گئے ہیں۔

ادوارِ حکومت

آل سبا کی حکومت کا پہلا دور ۱۱۰۰۔۹۵۰ ق م/ ۱۷۷۵۔۱۲۰۸ قبل ہجرت تک ہے۔ اسرائیلی انبیاء حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے دور میں آل سبا کی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی۔ اس دور کے سبائی حکمرانوں کا لقب مکارب سبا تھا۔ مُکا بمعنی مذہبی اور رب بمعنی مالک ہے یہ مذہبی پیشواؤں کی حکومت کا زمانہ ہے ان کا دارالحکومت صرواح تھا جو مآرب اور صنعاء کے درمیان واقع تھا اس کے کھنڈرات تا حال موجود ہیں اور خریبہ کے نام سے موسوم ہیں۔ اسی دور میں مآرب کے مشہور بند کی بنیاد رکھی گئی تھی جس میں بعد کے حکمرانوں نے وقتاً فوقتاً توسیع کی۔ آل سبا کا دوسرا دور ۵۵۰۔۱۱۵ ق م/ ۱۲۰۸۔۶۰۷ قبل ہجرت تک کا ہے اس دور کے حکمرانوں کو ملوک سبا کہا جاتا تھا۔ ان کا دارالحکومت مآرب تھا اور ان کا بادشاہ مارب کے مشہور قلعے سلحسین میں رہتا تھا۔ مآرب کا شہر صنعاء سے ۹۶ کلومیٹر کے فاصلے پر مشرقی جانب واقع تھا جس کے کھنڈرات اس کی عظمت کے شاہد ہیں۔ سبا کا انتشار اور سیل عرم (شدید

سیلاب جس کا ذکر قرآن کریم کی سورہ سبا میں ہے)(۱۳۹) اسی دور سے متعلق ہے۔ ان کی حکومت کا تیسرا دور ۱۱۵ ق م سے ۳۰۰ عیسوی / ۶۰۷۔ ۳۲۳ قبل ہجرت تک کا ہے۔ اس دور کے حکمرانوں کو ملوک سبا و ذیدان اور ملوک حمیر کہا جاتا ہے۔ ریدان ان کے قلعے کا نام ہے۔ حمیر آل سبا کے ایک قبیلے کا نام ہے جس کے نسب کا سلسلہ حمیر بن سبا سے ملایا جاتا ہے۔ اس دور میں آل سبا صرف یمن اور اس کے اطراف تک محدود رہی ہے یہ اس کے زوال کا دور ہے۔ آل سبا کا زوال جاری رہا۔ مسلسل خانہ جنگیوں اور بیرونی اقوام حبشیوں اور رومیوں کی مداخلت سے نہ صرف ان کی زراعت وتجارت کو شدید نقصان پہنچا بلکہ ۳۴۰ سے ۳۷۸ / ۲۹۲۔ ۲۵۳ قبل ہجرت تک ان پر حبشی غالب آگئے۔ لیکن حبشیوں کے اس مختصر اقتدار کے بعد آل سبا کو دوبارہ آزادی حاصل ہوگئی۔ ان کی حکومت کا یہ پانچواں دور ۳۷۸۔ ۵۲۵ء / ۲۵۳۔ ۱۰۱ قبل ہجرت تک رہا۔ اس دور میں آل سبا کو پھر عروج حاصل ہوا۔ انہوں نے اپنی مملکت کی حدود کو حبشہ، نجد اور تہامہ تک وسیع کر لیا تھا اسی لئے وہ تبابعۂ یمن کے لقب سے مشہور ہوئے۔ یہی وہ قوم تُبّع ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی سورہ دُخان اور سورہ ق میں ہوا ہے۔ (۱۴۰) ریدان کا قلعہ ان کا دارالحکومت تھا جو موجودہ صنعاء سے متصل ایک شہر ظفار سے قریب تھا۔ اس دور کا ایک حکمران تبع ابی کرب تبان اسعد یثرب (مدینہ منورہ) میں آیا اور یہاں سے دو یہودی علماء کو ساتھ لے کر اپنے وطن واپس لوٹا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے مکہ مکرمہ پہنچ کر حج کیا اور کعبہ پر سب سے پہلے اسی نے غلاف چڑھایا تھا۔ اس کے عہد میں اہل یمن نے یہودی مذہب قبول کر لیا۔ تبع ابی کرب کے بعد اس کا بیٹا حسان بن تبان اسعد حکمران ہوا جسے اس کے بھائی عمرو بن تبان اسعد نے قتل کر کے زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس کے مرنے پر حمیری قبیلے کے ایک اور شخص لخیعہ ینوف ذوشناتر نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ جسے زُرعۃ ذونواس بن تبان اسعد نے قتل کر کے حکومت دوبارہ اپنے خاندان میں منتقل کر لی یہ آخری حکمران ہے۔ یہ سخت متعصب یہودی تھا اس نے نجران کے عیسائی عوام کو یہودیت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ ان کے انکار پر ذونواس نے خندقیں کھدوا کر ان میں آگ بھری اور تقریباً بیس ہزار عیسائیوں کو آگ میں زندہ جلا دیا۔ یہ عیسائی مُوحد اور سچے مومن تھے تثلیث وغیرہ مشرکانہ عقائد کے قائل نہیں تھے۔ ان کی مظلومیت کا ذکر سورہ بُروج میں کیا گیا ہے (۱۴۱) یہ واقعہ ۵۲۳ عیسوی / ۱۰۳ قبل ہجرت کا ہے۔

نجران کے مظلومین میں سے ایک شخص زندہ بچ رہا جس نے قیصر روم سے ذونواس کے خلاف مدد طلب کی۔ قیصر روم نے اپنے ماتحت نجاشی شاہ حبشہ کو ذونواس کے خلاف کارروائی کا حکم دیا۔ جس طرح روم

کے بادشاہ کا قیصر، ایران کے بادشاہ کا کسریٰ، مصر کے حکمرانوں کا مقوقس لقب ہوا کرتا تھا اسی طرح حبشہ کے حکمرانوں کا لقب نجاشی تھا۔ نجاشی نے اپنے جرنیل ار یاط کی زیر قیادت ستر ہزار کا لشکر روانہ کیا جنگ میں ذ نواس کو عبرتناک شکست ہوئی اور وہ سمندر میں ڈوب مرا۔ یہ ۵۲۵ عیسوی / ۱۰۱ قبل ہجرت کا واقعہ ہے۔ یمن پر حبشیوں کا قبضہ ہو گیا۔ ار یاط کو ایک دوسرے فوجی جرنیل ابرہہ نے قتل کر کے خود اقتدار سنبھال لیا۔ نجاشی کو علم ہوا تو وہ ابرہہ پر سخت ناراض ہوا لیکن جلد ہی حالات کی سنگینی کے پیش نظر ابرہہ کی معذرت کو قبول کر کے اس کی حکومت کو تسلیم کرلیا۔ یہی وہ ابرہہ ہے جس نے صنعاء میں نہایت شاندار گرجا تعمیر کرایا تاکہ عرب مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کا حج کرنے کی بجائے اس مصنوعی کعبے کا حج کریں اپنی اس کوشش میں ناکامی پر وہ اپنے لشکر سمیت مکہ پر حملہ آور ہونے اور خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کے مذموم ارادے سے نکلا۔ اس کے لشکر میں ہاتھی بھی تھے اسی لئے ان لوگوں کو اصحاب الفیل کہا جاتا ہے۔ ابرہہ مکے کے قریب وادی محسر میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا کہ غیبی پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اچانک نمودار ہوئے جن کے پنجوں اور چونچوں میں مسور کے دانوں کے برابر کنکریاں تھیں۔ ان پرندوں نے ابرہہ کے لشکر پر ان کنکریوں کی بارش کردی جس سے وہ تباہ و برباد ہو کر کھائے ہوئے بھوسے کی مانند ہو گئے۔ یہ واقعہ ۱۷ محرم ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی بہ مطابق ۱۷ رجب ۵۵ قبل ہجرت قمری بہ مطابق ۱۵ ستمبر ۵۶۹ عیسوی جیولین کا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ میں ولادت باسعادت اس کے پچاس روز بعد ۸ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی بہ مطابق ۸ رمضان المبارک ۵۵ قبل ہجرت قمری بہ مطابق ۴ نومبر ۵۶۹ عیسوی جیولین بروز سوموار ہوئی۔ ابرہہ کی ہلاکت کے بعد اس کا بیٹا یکسوم بن ابرہہ پھر اس کا بھائی مسروق بن ابرہہ یکے بعد دیگرے حکمران ہوئے۔ اہل حبش نے یمن پر ۷۴ شمسی سالوں تک بہ تفصیل ذیل حکومت کی۔

۱۔ الریاط از ۵۲۷-۵۴۷ عیسوی / ۹۹-۷۸ قبل ہجرت۔ (مدت حکومت ۲۰ سال)

۲۔ ابرہہ از ۵۴۷-۵۶۹ عیسوی / ۷۸-۵۵ قبل ہجرت۔ (مدت حکومت ۲۲ سال)

۳۔ یکسوم بن ابرہہ از ۵۶۹-۵۸۹ء / ۵۵-۳۵ قبل ہجرت۔ (مدت حکومت ۲۰ سال)

۴۔ مسروق بن ابرہہ از ۵۸۹-۶۰۱ء / ۳۵-۲۳ قبل ہجرت۔ (مدت حکومت ۱۲ سال)

حبشی حکومت کے خلاف اہل یمن میں اضطراب بڑھتا رہا حتیٰ کہ سیف ذی یزن حمیری نے شاہ فارس کسریٰ نوشیرواں سے مدد طلب کی۔ اس نے اپنے ملک کے کوئی آٹھ سو قیدیوں کو رہا کر کے انہیں ایک شخص دہرز کی زیر کمان سیف ذی یزن کے ہمراہ کر دیا۔ یمنیوں اور ایرانیوں کی مشترکہ کاروائی سے حبشیوں

کو شکست ہوئی اور حکومت کچھ عرصے کے لئے سیف ذی یزن حمیری کے ہاتھ آ گئی۔ ارد گرد کے علاقوں سے عرب قبائل نے سیف ذی یزن حمیری کے پاس یمنی عربوں کے اقتدار کی بحالی پر مبارک باد کے وفود بھیجے۔ حجاز سے جو وفد آیا اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب بھی شامل تھے۔ بعد میں جلد ہی ایرانیوں نے سیف ذی یزن کو قتل کر کے یمن کو ایرانی مقبوضات میں شامل کر لیا۔ اور اس پر ایرانی گورنر مقرر کر دیئے۔ وہرز کے بعد اس کا بیٹا مرزُبان، اس کے بعد مرزُبان کا بیٹا تینجان ایرانی گورنر رہے۔ جب خسرو پرویز ایران کا بادشاہ ہوا تو اس نے یمن پر باذان کو گورنر مقرر کیا۔ اس نے باذان کو لکھا تھا کہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجا جائے۔ باذان کے دو سپاہی مدینہ منورہ پہنچے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے روز انہیں بتایا کہ تمہارے رب (بادشاہ) کو میرے رب نے آج رات قتل کر دیا ہے۔ کسریٰ کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر کے حکومت پر خود قبضہ کر لیا تھا۔ خبر کے بالکل صحیح ثابت ہونے پر ایرانی گورنر باذان اور اس کے ساتھیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ باذان کے بعد اس کا بیٹا شہر بن باذان حکمران ہوا جسے اس علاقے کے جھوٹے مدعی نبوت اسود عنسی نے قتل کر ڈالا۔ باذان نے ستمبر ۶۲۸ عیسوی جیولین رمحرم ۷ ہجری قمریہ شمسی بہ مطابق جمادی الاولیٰ ۷ ہجری قمری میں اسلام قبول کیا تھا۔ بعد میں اسود عنسی کے قتل ہونے پر یمن میں اسلامی اقتدار بحال ہو گیا۔ جو ایرانی یمن میں رہ گئے تھے وہ مقامی آبادی میں گھل مل گئے۔ آپس میں شادی بیاہ سے عرب و عجم کی تفریق باقی نہ رہی یمن میں باقی رہ جانے والوں کو ابناء الملوک کہا جاتا تھا جو بعد میں صرف ابناء کہلائے۔ ان ابناء کی نسل نے عالم اسلام میں علوم دینیہ میں بڑی شہرت حاصل کی۔ تابعین کے دور میں ہمام بن منبہ اور وہب بن منبہ جیسے ائمۂ حدیث و تفسیر کا تعلق انہی ابناء ہی سے تھا۔

وسعت حکومت

سبا کی حکومت کا آغاز یمن سے ہوا پھر بتدریج ان کے مقبوضات میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور اس کی حدود شمالی عرب اور افریقہ تک پہنچ گئیں۔ حبشہ کے کچھ علاقے بھی ان کی امارت میں تھے۔ جہاں حکومت سبا کا نائب مُغافر کے لقب سے حاکم ہوا کرتا تھا۔ شام، فلسطین اور مدین کے نواح بھی ان کے مقبوضات میں شامل تھے۔ فن تعمیر میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ چنانچہ قصر غمدان اس کا بہترین نمونہ تھا۔ یہ بیس منزلہ تھا سب سے اوپر کی منزل قیمتی آبگینوں سے بنائی گئی تھی۔ یہ قصر سو وسیع و عریض کمروں پر شامل تھا۔ انہوں

نے اپنے علاقے میں مضبوط قلعے بھی تعمیر کر رکھے تھے۔

طرز حکومت

دارالحکومت سے زیادہ فاصلوں پر آباد شہروں اور بستیوں کے درمیان عموماً ایک قلعہ ہوا کرتا تھا جہاں ان آبادیوں کا ذُو (حاکم) رہتا تھا۔ ذُو کی جمع اذواء ہے۔ یہ مرکزی حکومت کے نائب کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ اس مقصد کے لئے قلعے کے نام کے ساتھ ذو لگایا جاتا تھا جیسے ذوغمدان، ذوثعلبان وغیرہ۔ آبادی کے اس مجموعے کو محفد کہتے تھے جس کی جمع محافد ہے ان محافد سے ایک مخلاف بنتا تھا جس کے حاکم کو قیل (صوبہ دار) کہا جاتا تھا۔ قیل کی جمع اَقیال ہے۔ یہ اَقیال مرکزی بادشاہ کے ماتحت ہوتے تھے جو پہلے مُکارب سبا، پھر ملوک سبا و حمیر اس کے بعد ملوک حمیر اور آخر میں تابعۂ یمن کہلائے۔ یمن کے یہ اذواء اور اقیال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی موجود تھے۔ ان اَقیال کو بھی آپ نے تبلیغی خطوط ارسال فرمائے تھے جنہوں نے بالآخر اسلام قبول کرلیا۔

زراعت و تجارت

آل سبا کی حکومت کے عروج اور ان کے تمدن کے ارتقا کا دار و مدار ان کی شاندار زراعت اور ہمہ گیر تجارت پر تھا۔ عرب میں مستقل دریا نہیں۔ پہاڑی چشموں اور بارش کا پانی صحرا میں جذب ہو جاتا ہے۔ قوم سبا نے اس پانی کو زراعت کے لئے استعمال کیا اور اس غرض سے مضبوط بند تعمیر کئے ان میں مشہور اور مضبوط ترین بند کو سدِّ مأرب کہا جاتا ہے جو انہوں نے اپنے دارالحکومت مآرب میں تعمیر کر رکھا تھا۔ مآرب کے جنوب میں کوہ ابلق کے نام سے دائیں اور بائیں جانب دو پہاڑ ہیں جن کے درمیان واقع وسیع و عریض وادی کو وادی اذنیہ کہا جاتا ہے۔ قوم سبا نے تقریباً ۸۰۰ ق م/ ۱۴۲۶ ق ھ میں ان پہاڑوں کے درمیان بند تعمیر کرنے کا آغاز کیا اور تعمیر کا یہ سلسلہ ایک مدت تک چلتا رہا۔ قوم سبا کے آبپاشی کے بہترین نظام کی وجہ سے زراعت کو خوب ترقی ہوئی۔ کھجور کے باغات کے علاوہ ان کے زرعی علاقوں میں بلسان وغیرہ کے نہایت خوبصورت درخت تھے، خوشبودار پودوں دارچینی وغیرہ کی بہتات تھی، جن کی خوشبو سے دور دراز کے علاقے بھی محظوظ ہوتے تھے۔ ان پھلوں، پھولوں اور خوشبوؤں کی کثرت کے ساتھ ساتھ معدنیات سونے چاندی اور جواہرات کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ یہ لوگ انتہائی خوشحال اور عیش و عشرت کے دلدادہ تھے۔ ان کے شب و روز نہایت عمدہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی عورت

اپنے سر پر بڑا برتن وغیرہ رکھ کر باغات میں سے گزرتی تو پھلوں کی بہتات سے جو پھل از خود گرتے تھے ان سے یہ برتن بھر جاتا تھا۔ آب و ہوا اس قدر عمدہ تھی کہ انکے علاقوں میں مچھر اور دوسرے موذی کیڑے مکوڑے نہیں تھے (۱۴۲) ان کے وطن کی جغرافیائی حیثیت نے قوم سبا کے لئے ہر طرح کی تجارت کے دروازے کھول رکھے تھے، کوئی ایک ہزار برس تک یہ قوم دنیا کی تجارت پر چھائی رہی۔ مشرق و مغرب کے درمیان تجارت انہی کے ذریعے ہوتی تھی ان کی بندرگاہوں پر چین کا ریشم، انڈونیشیا اور مالابار کا گرم مصالحہ، ہندوستان کے ملبوسات اور تلواریں، مشرقی افریقہ کے غلام، بندر، شتر مرغ کے پر اور ہاتھی دانت پہنچتے تھے اپنی ان درآمدات کو وہ مصر اور شام کی منڈیوں تک پہنچاتے۔ وہاں سے یہ اشیاء روم و یونان تک پہنچتیں۔ خوشبودار پودوں لوبان، عود اور دارچینی وغیرہ کے علاوہ ان کے علاقوں میں عنبر اور مشک وغیرہ پیداوار کی بھی فراوانی تھی۔ ان سب اشیا کی برآمد سے وہ بھرپور فائدہ اٹھاتے تھے۔ ان کی تجارت بری اور بحری دونوں راستوں سے ہوتی تھی۔ بحراحمر میں ان کی تجارتی کشتیاں رواں دواں رہتی تھیں۔ اردن اور مصر کی بندرگاہوں تک ان کا سامان پہنچتا تھا۔ ان کی تجارت کا بری راستہ عدن اور حضر موت سے مارب تک تھا پھر وہاں سے ایک شاہراہ جدہ، مکہ، یثرب، (مدینہ منورہ) العلاء، تبوک اور ایلہ سے گزرتی ہوئی بطرا (پٹرا) تک پہنچتی تھی۔ اس شاہراہ کو قرآن حکیم میں امام مبین کہا گیا ہے۔ اس کے بعد ایلہ، راستہ مصر کی طرف اور دوسرا شام کو جاتا تھا۔ یمن سے شام تک اس شاہراہ پر جگہ جگہ آبادیاں تھیں اور تجارتی قافلے بغیر کسی خوف وخطر اور روک ٹوک کے آتے جاتے تھے۔ شاہراہ پر موجود ہر طرح کی سفری سہولتوں کی وجہ سے ان کا سفر بھی حضر (گھر میں قیام) کی مانند تھا۔ اس دور کے مؤرخین نے اپنی تصانیف میں قوم سبا کی خوشحالی اور عیش پرستی کا بہترین انداز میں ذکر کیا ہے۔ ان مؤرخین میں ارٹیوس تھینس (Erators thens) ۱۹۴ ق م/ ۸۴۱ قبل ہجرت، مشہور یونانی مورخ اگا تھرشیڈس (Aga tharshiodos) ۱۴۵ ق م/ ۷۹۱ قبل ہجرت آرٹی میڈورس (Artimidors) ۱۰۰ ق م/ ۷۴۴ قبل ہجرت باشندہ افسس کے نام قابل ذکر ہیں۔

قوم سبا کی عیش پسندی کا یہ حال تھا کہ وہ سونے اور چاندی کے برتن استعمال کرتے تھے، ان کے مکانوں کی چھتوں، دیواروں اور دروازوں تک میں بھی ہاتھی دانت، سونے چاندی اور دیگر جواہرات کا استعمال ہوتا تھا۔ یہ دنیا کی اس وقت کی سب سے زیادہ مالدار قوم تھی۔ یہ لوگ جلانے کی عام لکڑی کی بجائے دارچینی، صندل اور دیگر خوشبودار لکڑیاں جلاتے تھے۔ سمندری ساحل کے قریب سے گزرتے

ہوئے تجارتی جہازوں تک قوم سبا کے باغات اور خوشبودار پھلوں، پھولوں اور پودوں کی خوشبو پہنچتی تھی۔

اسباب زوال

قوم سبا کا ذکر قرآن کریم کی سورہ سبا میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا تھا مگر قوم نے شیطانی اغوا کا شکار ہوکر بالآخر ان نعمتوں کی ناشکری کی۔ ان کے ملک میں دائیں بائیں باغات کا طویل سلسلہ تھا۔ تجارت کی بڑی شاہراہ پر ہر طرح کی سہولتیں میسر تھیں۔ سایہ دار درخت اور قدم قدم پر طعام وقیام کے لئے قیام گاہیں تھیں۔ انہوں نے ناشکری کا ثبوت دیتے ہوئے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اے اللہ! ہمارے سفر کے فاصلوں کو طویل کر دے کہ ہمیں تو یمن سے شام تک کی شاہراہ پر بہ کثرت موجود سہولتوں کی وجہ سے سفر کا کوئی مزہ ہی نہیں آتا۔ اس قوم نے اللہ کے پیغمبروں کی تعلیم سے منہ موڑ کر توحید کی بجائے کواکب پرستی کی صورت میں کفر وشرک کی راہ اپنائی اور اللہ کے عذاب کو دعوت دی۔ ملک سبا پر اللہ کا عذاب یوں نازل ہوا کہ ان کا مشہور ومعروف اور فن تعمیر کا نادر نمونہ سدّ مآرب ٹوٹ گیا اور اس کے ٹوٹنے سے سیلاب نے چاروں طرف تباہی مچادی، باغات اجڑ گئے، پھل دار درخت، خوشبودار پودے ناپید ہوئے اور ان کی جگہ جنگلی بیروں، جھاؤ اور کڑوے کسیلے ذائقے والے درختوں اور پودوں نے لے لی۔ ان کے زوال کی دوسری بڑی وجہ ان کی تجارت کی تباہی تھی۔ مصر پر جب رومی حکومت کا قبضہ ہوا تو رومیوں نے طاقتور تجارتی بیڑا سمندر میں ڈال دیا۔ حبشیوں نے بھی رومیوں کا ساتھ دیا اور بالآخر قوم سبا کے علاقوں پر قبضہ کر کے ان کی آزادی بھی چھین لی۔ قوم سبا کی تجارت کا بڑی راستہ بھی بتدریج مخدوش ہوتا چلا گیا پہلے نبطیوں نے بطرا (پیٹرا) سے العلاء تک بالائی حجاز اور اردن کی تمام نوآبادیوں سے سبائیوں کو نکال باہر کیا پھر رومیوں نے ۱۰۶ عیسوی / ۵۴۳ قبل ہجرت میں نبطی حکومت کو ختم کر کے حجاز کی حدود تک شام اور اردن کے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا، اس سے قوم سبا کی بری تجارت بھی ختم ہوگئی۔ بند کے ٹوٹنے سے یمن میں جو تباہی آئی تھی اس کی وجہ سے وہاں کے متاثرہ قبائل نقل مکانی پر مجبور ہوئے۔ کچھ قبائل نے حجاز کا رخ کیا۔ بنوخزاعہ مکہ کے اردگرد آباد ہوئے۔ اوس اور خزرج کے قبائل نے یثرب (مدینہ) کو اپنا مسکن بنایا۔ کچھ یمنی قبائل نے شام کا رخ کیا اور عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ ان میں غسان، عاملہ، بھراء، لخم، جذام، تنوخ اور تغلب وغیرہ کے قبائل تھے۔ بعد میں غسانیوں نے شام میں ایک شاندار غسانی حکومت کی بنیاد رکھی۔ قبائل ازد کی بیشتر شاخوں نے عدن کو اپنا مسکن بنایا۔ لیکن سب قبائل نے اپنا وطن ترک نہیں

کیا حمیری قبائل سدّ مآرب کے سیلاب سے زیادہ متاثر نہیں ہوئے تھے وہ وہیں مقیم رہے۔ ملوک تابعہ میں ربعیہ بن نصر کمزور ترین حکمران تھا۔ اس نے اپنے اہل وعیال کو عراق میں حیرہ کے مقام پر منتقل کر دیا۔ اس کی اولاد نے حیرہ میں حکومت قائم کر لی۔ حیرہ کا مشہور حکمران نعمان بن منذر اسی ربیعہ بن نصر کی نسل سے تھا۔ یمن میں تبع ابوکرب تبان اسعد اس ربیعہ بن نصر کا حریف تھا۔ ربیعہ بن نصر کے بعد یمن کی حکومت اسی کے ہاتھ آئی۔ مذکورہ یمنی قبائل کے افتراق وانتشار کو اس درجہ عبرت ناک سمجھا جاتا ہے کہ کسی بھی خاندان یا گروہ کے اس طرح بکھر جانے کو اہل عرب یوں ظاہر کرتے ہیں:

تفرقوا ایدی سبا شذر مذر (۱۴۳)

یعنی وہ سبا کی طرح منتشر اور پارہ پارہ ہوگئے

امام احمدؒ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ ایک شخص (فروہ بن مسیک الغطیفی) نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سبا کسی مرد یا عورت کا نام ہے یا یہ کوئی علاقہ تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ایک مرد تھا جس کی نسل سے دس (قبائل) ہیں ان میں سے چار شام میں اور چھ یمن میں مقیم ہوئے۔ یمنی (قبائل) مذحج، کندہ، اشعر، انمار اور حمیر ہیں، جو سب عرب ہیں۔ شامی (قبائل) لخم، جذام، عاملہ، اور غسان ہیں۔ (۱۴۴)

(ب) معینی حکومت

یہ قدیم سلطنت بھی جنوبی عرب میں قائم تھی۔ اس کے صدر مقامات قران اور معین تھے۔ ان کی حکومت کے متعلق جو کتبے برآمد ہوئے ہیں ان سے کوئی پچیس حکمرانوں کا علم ہوتا ہے۔ بعض محققین کے خیال میں یہ نہایت قدیم حکومت ہے جو قوم سبا کی حکومت سے پہلے کی ہے، جبکہ بعض کے خیال میں معینی اور سبائی حکومتیں ہم عصر تھیں، کیونکہ اس کا کوئی کتبہ ۸۰۰ ق م/۱۴۲۶ قبل ہجرت سے پہلے کا دستیاب نہیں ہوا ہے۔ (۱۴۵)

(ج) شام میں غسّانیوں کی حکومت

ملوک غسان کا تعلق قحطان کی شاخ بنو کہلان سے بتایا جاتا ہے۔ یہ لوگ یمن کا بند ٹوٹنے سے ترک وطن کر کے پہلے شمالی عرب کے علاقے تہامہ (حجاز) میں آباد ہوئے۔ ان کہلانیوں میں حفنہ بن عمرو بن عامر (ماریقیا) بھی تھا جو حجاز سے شام کی جانب منتقل ہوگیا۔ وہاں جانے سے پہلے یہ لوگ تہامہ میں غسان نامی ایک چشمے کے قریب ٹھہرے رہے تھے اس لئے یہ غسانی کہلائے۔ شام میں یہ قبیلہ قضاعہ پر غالب

آئے اور اس علاقے میں اپنی حکومت قائم کرلی۔ ان سے پہلے یہاں قبیلہ قضاعہ کی ایک شاخ بنو ضجعم بن سلیم کی حکومت تھی۔ انہیں ضجاعمہ کہا جاتا تھا۔ ان کا مشہور ترین بادشاہ زیاد بن ہیولہ گزرا ہے۔ ضجاعمہ کا دورِ حکومت غالباً پوری دوسری صدی عیسوی پر محیط رہا ہے۔ غسانیوں نے ضجاعمہ کو شکست دے کر اپنی حکومت قائم کی، ان کا دار الحکومت حوران کے قریب بُصریٰ کا شہر تھا۔ بعض مؤرخین کے خیال میں دومۃ الجندل بھی غسانیوں کا دار الحکومت رہا ہے۔ انہوں نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پورے شام پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد فلسطین اور لبنان کے علاقوں کو بھی اپنے زیر اثر کرلیا۔ انہوں نے اپنی حدود سلطنت اور زیر اثر علاقوں میں شہر اور گاؤں آباد کیے، کئی محل اور گرجے تعمیر کرائے۔ آب پاشی کے نظام کو درست کرکے زراعت کو ترقی دی۔ بطلیموس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غسانی دوسری صدی عیسوی تک تہامہ میں ہی مقیم تھے۔ شام میں ان کی حکومت حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں ۶۳۴ء/۱۳ ہجری میں ختم ہوئی۔ اگر یہ لوگ تیسری صدی عیسوی میں شام میں آباد ہوئے ہوں تو ان کی حکومت کوئی چار سو برس بنتی ہے۔ ابتدا میں غسانی حکمران خود مختار اور آزاد تھے، لیکن بعد میں جب رومی حکومت کو عروج ہوا تو تقریباً سو سال تک یہ رومی سلطنت کے زیر اثر رہے۔ غسانیوں نے عیسائیت کو ۳۳۰ء/ ۳۰۲ ق ھ میں قبول کیا۔ اس کی نشر و اشاعت میں نجاشی شاہ حبشہ اور قیصر شاہ روم نے دلچسپی لی۔ ۳۹۰ء/۲۳۰ ق ھ اور ۵۱۳ء/۱۱۳ ق ھ میں اس کی نشر اشاعت پر بڑا زور دیا گیا اور جنوبی عرب یمن میں بھی اناجیل بکثرت پھیل گئیں۔ رومیوں اور ایرانیوں کی کشمکش اور ملک گیری کی ہوس میں غسانی حکمران رومی حکومت کا ساتھ دیتے تھے اس لئے حیرہ کے ملوک مناذرہ یعنی لخمی امراء سے ان کے تعلقات کشیدہ رہتے تھے جو ایرانی حکومت کا ساتھ دیا کرتے تھے۔ حارث بن جبلہ اور منذر بن جبلہ مشہور حکمران ہوئے ہیں۔ جبلہ بن ایہم آخری غسانی حکمران نے حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں اسلام قبول کرلیا۔ کعبے کے طواف کے دوران اس کے تہبند پر طواف کرنے والے ایک دوسرے مسلمان کا پاؤں آگیا جس پر اس نے غصے میں اس کے منہ پر زوردار طمانچہ رسید کردیا۔ بات حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچی تو انہوں نے جبلہ سے قصاص لینے کا ارادہ کیا اس پر وہ مرتد ہوکر رومی حکومت کے علاقے میں چلا گیا۔ اگرچہ اکثر نسابین نے ملوک غسان کو قحطانی قرار دیا ہے لیکن بعض ماہرین انساب اور دور جدید کے محققین کے خیال میں ان کا نسلی تعلق حضرت اسماعیلؑ کے صاحبزادے نابت سے ہے۔ (۱۴۶)

(د) ملوک مناذرہ کی عراق میں سلطنت

ملوک مناذرہ کا تعلق قضاعہ کی شاخ تنوخ سے تھا ان لوگوں کو اکثر نسابین نے قحطانی قرار دیا ہے

لیکن بروایت جبیرؓ بن مطعم یہ لوگ معد بن عدنان کی نسل سے ہیں۔ دورِ حاضر کے محققین کی بھی یہی رائے ہے۔ ملوک مناذرہ کا دارالحکومت حیرہ کا شہر تھا جو کوفے سے تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے فرات کے کنارے پر واقع تھا۔ ملوک مناذرہ نے یہاں شاندار عمارتیں تعمیر کیں، آب پاشی کے نظام کو بہتر کیا، باغات لگوائے۔ ملوک غسان کی طرح ان کے دربار سے بھی عربی شعراء اور رؤسا وابستہ تھے۔ حیرہ کے تنوخی خاندان کا پہلا بادشاہ جذیمۃ الابرش تھا اس کے بعد اس کا بھانجا عمرو بن عدی حکمران ہوا جس کا تعلق بنولخم سے تھا اس لئے ان حکمرانوں کو لخمی کہا جاتا ہے ان کے دارالحکومت حیرہ کی مناسبت سے انہیں ملوک حیرہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس خاندان میں منذر نام کے کئی بادشاہ ہوئے، مُنذر کی جمع مناذرہ کے اعتبار سے انہیں ملوک مناذرہ کے نام سے بھی شہرت حاصل ہوئی۔ ان کی حکومت عراق، بحرین اور یمامہ کے علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی ان میں بائیس حکمران ہوئے جو ۶۲۴ برس تک حکومت کرتے رہے۔ ان میں سے بعض مشہور حکمرانوں کے دور کی مدت یہ ہے:

عمرو بن عدی ۲۶۸۔۲۸۸ء/ ۳۶۶۔۳۴۵ق ھ

منذر بن نعمان اعور ۴۳۱۔۴۷۳ء/ ۱۹۸۔۱۵۵ق ھ

منذر بن امراء القیس جس کا لقب ماء السماء تھا ۵۱۰۔۵۳۳ء/ ۱۱۶۔۹۳ق ھ

عمرو بن ہند ۵۳۳۔۵۷۸ء/ ۹۳۔۴۶ق ھ

نعمان بن منذر ابو قابوس ۵۸۵۔۶۱۳ء/ ۳۹۔۱۰ق ھ

ملوک مناذرہ ایرانی حکومت کے زیرِ اثر تھے۔ ایرانی کسریٰ قباد نے منذر بن ماء السماء کو حیرہ کی امارت سے معزول کر دیا تو حیرہ پر بنو کندہ کے حکمران حارث بن عمرو کندی نے قبضہ کر لیا۔ بعد میں ایرانی شہنشاہ قباد کے بیٹے نوشیرواں نے حارث بن عمرو کندی کو معزول کر کے منذر بن ماء السماء کو دوبارہ حیرہ پر اپنا نائب مقرر کر دیا۔ ان کے آخری حکمران نعمان بن منذر ابو قابوس سے ایرانی کسریٰ خسرو پرویز ناراض ہو گیا اور اسے مدائن بلا کر قید کر دیا۔ وہ قید کی حالت میں ہی مر گیا۔ نعمان بن منذر نے ایران جاتے ہوئے اپنا اسلحہ اور دیگر ساز و سامان بنو بکر کے سردار ہانی بن مسعود شیبانی کے پاس امانت رکھوا دیا۔ بنو بکر کا یہ قبیلہ عراقی سرحد پر آباد تھا۔ شاہ ایران خسرو پرویز نے ہانی سے یہ اسلحہ طلب کیا۔ اس کے انکار پر لڑائی کے لئے ایرانی دستے بھیجے مگر انہیں ناکامی ہوئی۔ اس پر پرویز نے ایرانی جرنیل ہرمز کی زیرِ کمان ایک بڑا لشکر عربوں کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ خسرو پرویز نے نعمان بن منذر کی جگہ حیرہ میں ایاس بن قبیصہ طائی کو اپنا

نائب مقرر کیا تھا۔ یہ بھی ایرانی فوج کا مددگار تھا لیکن ذی قار کے میدان میں ایک خونریز جنگ میں عربوں نے ایرانیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ عربوں کی ایرانیوں پر یہ پہلی عظیم فتح تھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عربوں کی اس شاندار کامیابی پر بڑی مسرت ہوئی۔ بعد میں بنو بکر اور ایرانیوں میں سرحدی جھڑپوں کا سلسلہ وقتاً فوقتاً جاری رہا۔ بالآخر خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں ایران پر باقاعدہ فوج کشی کی گئی اور خلفائے راشدین کے دور میں پورے ایران پر اسلامی اقتدار قائم ہوگیا۔ یوں ملوک مناذرہ کا زوال خود ایرانی حکومت کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ (۱۴۷)

(ہ) حضر موت کے ملوک کندہ

بنو کندہ کا تعلق قحطان کی شاخ کہلان سے بتایا جاتا ہے، تاہم بعض نسابین انہیں نسلی اعتبار سے عدنانی قرار دیتے ہیں۔ بنو کندہ پہلے بحرین اور مشقر میں آباد تھے۔ وہاں سے حضر موت میں نقل مکانی کی۔ تبابعۂ یمن میں حسان بن تبان اسعد کا بنو کندہ کے سردار حجر بن عمرو سے اخیافی (ماں کی طرف سے) بھائی کا رشتہ تھا۔ حجر و بن عمرو کا لقب آکل المرار تھا۔ یوں تبابعۂ یمن سے اسے مدد حاصل تھی۔ بنو کندہ نے ملوک حیرہ رمناذرہ سے جنگ کرکے بکر بن وائل اور نجد کے علاقے چھین لئے، لیکن جب بنو کندہ کے سردار حارث بن عمرو کندی کے دور میں یمن پر اہل حبشہ کا قبضہ ہوگیا تو بنو کندہ پر بھی اس کے مضر اثرات مرتب ہوئے، تاہم جب ایرانی بادشاہ قباد نے حیرہ کے لخمی حکمران منذر بن ماء السماء سے ناراض ہوکر اسے حیرہ کی امارت سے معزول کردیا تو اس نے حیرہ کی حکومت بھی حارث بن عمرو کندی کے حوالے کردی۔ قباد کے جانشین نوشیرواں کو یہ صورت حال پسند نہ آئی۔ اس نے منذر بن ماء السماء کو دوبارہ حیرہ پر اپنا نائب مقرر کردیا۔ حارث بن عمرو کندی بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر وہاں سے بھاگا لیکن اس کے اہل وعیال کو لخمیوں نے بیدردی سے قتل کردیا۔ اس پر بھی منذر بن ماء السماء مطمئن نہ ہوا بلکہ کندی حکمرانوں کے پیچھے پڑا رہا اور بالآخر کندہ کے آخری حکمران حجر بن حارث کندی کو قتل کرادیا۔ اس کا بیٹا امراء القیس عربی زبان کا مشہور و معروف شاعر تھا۔ وہ اپنی جان بچانے کے لئے مختلف عرب قبائل میں گھومتا اور بھٹکتا رہا۔ بالآخر وہ قیصر روم کے پاس ملوک حیرہ کے خلاف مدد حاصل کرنے کے لئے پہنچا لیکن اسے کوئی مدد حاصل نہ ہوسکی اور اسی غریب الوطنی میں انقرہ میں ۵۶۰ عیسوی/ ۶۰ ق ھ میں انتقال کرگیا۔ ملوک کندہ میں حجر بن عمرو آکل المراز کی حکومت ۵۴۰ء/ ۸۷اق ھ تک رہی۔ عمرو بن حجر کی حکومت ۴۹۰ء/ ۱۳۷ق ھ اور حارث بن عمرو کی حکومت ۵۴۰ء/ ۸۶ق ھ تک رہی۔ آخری حکمران حجر بن حارث ۵۵۰ء/ ۷۵ق ھ میں قتل ہوا۔ (۱۴۸/۱)

عدنانی قبائل اور رسول اکرم حضرت محمد ﷺ کا شجرۂ نسب (۱۴۸/۲)

عدنانی قبائل کے جدّ اعلیٰ کا نام عدنان ہے۔ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پدری نسب میں اکیسویں پشت پر ہیں۔ عدنان تک آپ کے نسب کے صحیح ہونے پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ یہ اجماع اور تواتر سے ثابت ہے جس میں کسی طرح بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، گو اس سلسلے میں پورے شجرہ نسب کو بیان کرنے کے لئے کوئی مرفوع حدیث موجود نہیں ہے۔ مگر اس کی متعدد جزئیات مرفوع احادیث میں موجود ہیں۔ اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں کہ عدنان حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام کی نسل سے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عدنان تک نسب مبارک اور اس کے متعلقات کو زیر بحث لانے سے عدنانی قبائل کے متعلق مطلوبہ معلومات بڑی حد تک حاصل ہو جاتی ہیں لہٰذا ان قبائل کے سلسلے کو ہم تبرکاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک سے وابستہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَللّٰہ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہ (۱۴۹)

اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ (اپنی) رسالت (کا منصب) رکھتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدنی دور میں صلحنامہ حدیبیہ کے بعد اردگرد کے حکمرانوں کو دعوتی خطوط ارسال فرمائے تھے۔ ہرقل قیصر روم کو نامہ مبارک ملا تو ان دنوں سردار مکہ ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بغرض تجارت شام میں موجود تھے۔ ہرقل کے حکم پر ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ ہرقل نے دیگر سوالات کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور حسب ونسب کے بارے میں بھی ابوسفیان سے پوچھا تھا۔ اگرچہ ابوسفیان ان دنوں اسلام نہیں لائے تھے اور حالت کفر میں ہونے کے ساتھ ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اور مخالف بھی تھے پھر بھی قیصر روم کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے جھوٹ نہیں بولا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے متعلق سوال کے جواب میں کہا **ھو فینا ذو نسب** ''وہ ہم میں صاحب نسب ہیں''۔ اس پر قیصر روم نے کہا کہ اسی طرح رسولوں کو اپنی قوم کے اچھے خاندانوں میں مبعوث کیا جاتا ہے (۱۵۰) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرناً حتّٰی بعثت من القرن الّذی کنت فیہ (۱۵۱)

میں زمانہ بہ زمانہ بنی آدم کے بہترین زمانوں سے مبعوث ہوا ہوں حتی کہ مجھے اس زمانے (کے لوگوں) سے مبعوث کیا گیا جس میں میں موجود ہوں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کا تعلق بہ لحاظ نسب پاکیزہ خاندانوں سے ہوتا ہے۔ بائبل میں انبیاء علیہم السلام کے خاندانوں میں بدکاری اور فحاشی کے جو ناگفتنی واقعات مذکور ہیں، سب کے سب جھوٹے اور اہل کتاب کے خودتراشیدہ ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ کا ارشاد ہے:

ان اللّٰہ اصطفیٰ کنانۃ من وُلد اسماعیل و اصطفیٰ قریشا من کنانۃ و اصطفیٰ من قریش بنی ھاشم و اصطفانی من بنی ھاشم. (۱۵۲)

بے شک اللہ نے کنانہ کو (حضرت) اسماعیل کی اولاد سے چُنا، اور قریش کو کنانہ سے چُنا، اور قریش سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم سے مجھے چُنا۔

نیز ارشاد ہے:

انا سیّد ولد آدم یوم القیامۃ واوّل من ینشق عنہ القبر و اوّل شافع واوّل مُشفّع (۱۵۳)

میں قیامت کے دن تمام بنی آدم کا سردار ہوں گا اور سب سے پہلا شخص ہوں گا جس کی قبر کھلے گی، سب سے پہلا سفارش کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلا شخص ہوں گا جس کی سفارش منظور و مقبول ہوگی۔

قرآن کریم میں ہے۔

قُلْ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبیٰ (۱/۱۵۴)

تو کہہ کہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگ رہا مگر (تم مجھ سے) قرابت میں (ہی) محبت (سے پیش آؤ)۔

اس آیت کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ بطون قریش میں سے کوئی بطن ایسا نہیں تھا جو بہ لحاظ نسب اوپر جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے جا نہ ملتا ہو (۲/۱۵۴)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (۱۵۵)

بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے

زیادہ پرہیزگار ہے۔

یہاں آیت میں عند اللہ (اللہ کے نزدیک) کی قید معنی خیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معیار فضیلت ایمان و تقویٰ ہی ہے۔ البتہ دنیا میں بعض اقوام، نسلیں اور خاندان سیادت و شرافت، شمائل و اخلاق، حسن و جمال، شجاعت و عزیمت، جود و سخاوت، عقل و فراست وغیرہ کے اعتبار سے دوسرے خاندانوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام ایسے ہی خاندانوں میں پیدا ہوتے ہیں تاکہ امتیازی حسب و نسب کی بنا پر لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں۔ جہاں تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے ہونے کا تعلق ہے تو یہ قرآن کریم سے صراحتاً ثابت ہے کسی نسب نامے کا محتاج نہیں لہٰذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ کسی شرعی ضرورت کے تحت نہیں بلکہ نسابین کی روایت کی پیروی میں بیان کیا جاتا ہے۔ نسب نامے اور اس کے متعلقات کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس میں اجداد کے نام صعودی ترتیب میں یعنی ابنا سے آبا و اجداد کی جانب لکھے گئے ہیں۔ نسب نامے کی تفصیل میں اولاد کے شجرے میں صرف مشہور و معروف بیٹوں کے نام ہی دیئے گئے ہیں۔ یہاں غیر معروف بیٹوں اور اسی طرح بیٹیوں کے نام اور حالات نہیں لکھے جا رہے ہیں۔ البتہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب کی بیٹیوں یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیوں کے بھی کوائف بیان کیے گئے ہیں۔

نسب نامے کا پہلا حصہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عدنان تک ہے جو شجرہ نسب میں اکیسویں پشت پر ہیں۔ یہ حصہ جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے متفق علیہ ہے۔ دوسرا حصہ اُدد سے لے کر حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ابراہیمؑ تک ہے۔ اس حصے میں اجداد کی تعداد میں بہت اختلاف ہے اسی لئے امام مالکؒ نے عدنان کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ بیان کرنے کو مکروہ سمجھا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی رائے بھی یہی ہے۔ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب ''الانباہ فی معرفۃ قبائل الرواۃ'' میں عروہ بن زبیرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ عدنان اور قحطان کے بعد جو نسب بھی نسابین بیان کرتے ہیں وہ محض اٹکل و تخمین پر مبنی ہے۔ ابن عبدالبرؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسلاف میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود، عمرو بن میمون ازدی اور محمد بن کعب قُرظی جب قرآن کریم کی یہ آیت پڑھتے تھے: وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ''اور جو لوگ ان کے بعد ہیں انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا'' تو فرمایا کرتے تھے کَذَبَ النسابون، نسب بیان کرنے والے کاذب ہیں۔ ابن عبدالبر اس کا یہ معنی لیتے ہیں کہ اس سے مراد وہ نسابین ہیں جو جملہ بنی آدم

کے انساب کی معرفت کے مدّعی ہیں۔ جہاں تک عرب قبائل کا تعلق ہے تو ماہرین نے ان کے ایام و انساب کی خوب حفاظت کی ہے اور پدری و مادری سلسلہ ہائے نسب کو محفوظ رکھا ہے گو قبائل کی بعض فروع یعنی ذیلی شاخوں کے متعلق اختلافات بھی موجود ہیں۔ ابن اسحاق، امام بخاری، زبیر بن بکّار، ابن جریر طبری وغیرہ اہل علم کی رائے میں عدنان کے بعد بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب بیان کرنے میں حرج نہیں (۱۵۶)

ھم کَذَبَ النسّابون کا معنی یہ لیں گے کہ جس نسب نامے کا کلًا یا جزواً صحیح ہونا یقینی اور قطعی نہ ہو بلکہ ظنی ہو تو اسے یقینی اور قطعی قرار دینے والے جھوٹے ہیں۔ لفظ کَذَبَ بمعنی غَلَطَ بھی آتا ہے جو نسب ظنّ غالب کی بنا پر صحیح سمجھ لیا گیا ہو، ممکن ہے اس میں ناموں کی اغلاط ہوں یا کچھ نام درمیان سے سہواً ساقط ہو گئے ہوں یا پشتوں کی تعداد میں کمی بیشی ہو گئی ہو اس لئے ایسے انساب کو لفظ بہ لفظ صحیح سمجھ لینا غلط ہے۔ اگر ظنیات کو یقینیات اور قطعیات کا درجہ نہ دیا جائے تو نسب بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

نسب نامے کے پہلے حصے از رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تا عدنان کی مدت کوئی ۱۱۵۷ سال ہے کیونکہ عدنان کو اسرائیلی پیغمبر حضرت ارمیاہؑ کا ہم عصر بتایا جاتا ہے (۱۵۷) حضرت ارمیاہؑ کو یرلیاہؑ بھی کہا جاتا ہے عدنان تک ۲۱ پشتیں ہیں لہٰذا ہر پشت کی اوسط مدت تقریباً ۵۵ سال ہوئی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سال ولادت ۵۶۹ عیسوی ہے اور ارمیاہؑ کا زمانہ کوئی ۵۸۸ قبل مسیح کا ہے جس کی تائید گڈ نیوز بائبل کے آخر میں ملحق توقیتی جدول سے بھی ہوتی ہے لہٰذا کل مدت (۵۸۸+ ۵۶۹)= ۱۱۵۷ سال ہوئی۔ (۱۱۵۷ تقسیم ۲۱)= ۵۵٫۰۹ = ۵۵ سال اوسط مدت فی پشت برآمد ہوئی۔ نسب نامے کا دوسرا حصہ اود سے حضرت ابراہیمؑ تک چالیس پشتوں کا ہے یہ بروایت ابن سعد و ابن جریر طبری ہے دونوں کے بیان کردہ اسما یکساں ہیں صرف دو تین ناموں میں املا اور نقاط کا معمولی فرق ہے ہم نے یہاں ابن جریر طبری کی روایت کے مطابق نسب نامے کا یہ دوسرا حصہ دیا ہے عدنان کا زمانہ ۵۸۸ ق م کا ہے تو بہ حساب مذکورہ بالا اود کا زمانہ ۵۸۸ = ۵۵ = ۶۴۳ قبل مسیح کا ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ کا دور ۲۰۰۰ ق م کا بتایا جاتا ہے (۱۵۸) لہٰذا اود سے حضرت ابراہیمؑ تک تقریبی مدت (۲۰۰۰۔۶۴۳) = ۱۳۵۷ سال ہوئی اس دور کی کل چالیس پشتیں ہیں لہٰذا فی پشت اوسط مدت (۱۳۵۷ تقسیم ۴۰) = ۳۳٫۹ = تقریباً ۳۴ سال ہوئی۔ انجیل لوقا میں حضرت مریمؑ کے مبینہ شوہر یوسف نجار سے لے کر حضرت داؤدؑ تک ۴۲ پشتیں بیان کی گئی ہیں۔ حضرت داؤدؑ کی حکومت کا آغاز بلحاظ توقیتی جدول ملحقہ گڈ نیوز بائبل ۱۰۱۰ ق م بتایا گیا ہے پس فی پشت اوسط

مدت (۱۰۱۰ تقسیم ۴۲) = ۲۴٫۰۴ = ۲۴ سال ہوئی۔ انجیل متی میں یوسف نجار سے حضرت داؤدؑ تک ۲۷ پشتیں بیان کی گئی ہیں لیکن پرانے عہد نامے کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ متی نے چار پشتوں کو شمار نہیں کیا لہٰذا کل پشتیں ۳۱ ہوئیں ان تمام امور کا تذکرہ ہم انشاءاللہ اگلے عنوان میں تفصیل سے کریں گے پس یہاں اوسط مدت (۱۰۱۰ تقسیم ۳۱) = ۳۲٫۵۸ = تقریباً ۳۳ سال ہوئی۔

نسب نامے کا تیسرا حصہ حضرت ابراہیمؑ کے والد آزر سے حضرت آدم علیہ السلام تک ہے۔ اس میں کل ۱۹ پشتیں دی گئیں ہیں نسب نامے کا یہ حصہ موجودہ بائبل سے ماخوذ ہے اس حصے میں کئی باتیں مشتبہ نظر آتی ہیں مثلاً تورات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام ۵۰۰ سال کے تھے کہ سم پیدا ہوا۔ سم سو برس کا تھا کہ اس سے ارفکسد پیدا ہوا۔ ارفکسد ۳۵ برس کا تھا کہ اس سے سلح پیدا ہوا۔ سلح تیس برس کا تھا کہ اس سے عبر پیدا ہوا۔ عبر ۳۴ برس کا تھا کہ اس سے فلج پیدا ہوا۔ فلج تیس برس کا تھا کہ اس سے رعو پیدا ہوا۔ رعو ۳۲ برس کا تھا کہ اس سے سروج پیدا ہوا۔ سروج تیس برس کا تھا کہ اس سے نحور پیدا ہوا۔ نحور ۲۹ برس کا تھا کہ اس سے تارح (آزر) پیدا ہوا۔ اور تارح ستر برس کا تھا کہ اس سے ابرام (ابراہیمؑ) پیدا ہوئے۔ (۱۰۹) نوح علیہ السلام کی کل عمر بہ مطابق تورات ۹۵۰ برس ہوئی (۱۶۰/۱) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے انتقال کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ساٹھ برس ہو چکی تھی۔

۹۵۰ (۵۰۰+۱۰۰+۳۵+۳۰+۳۴+۳۰+۳۲+۳۰+۲۹+۷۰) = ۹۵۰-۸۹۰ = ۶۰ برس۔

غالباً اہل کتاب بھی اس سے متفق نہ ہونگے۔ قاضی منصور پوریؒ لکھتے ہیں:

> الغرض حصہ سوئم کے نام تو صحیح ہیں البتہ دیگر معلومات بعض جگہ مشکوک ہیں چونکہ نسب نامہ میں صحت اسماء ہی زیادہ تر درکار ہوتی ہے۔ اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ نسب گرامی کا یہ حصہ بھی بالکل صحیح ہے۔ (۱۶۰/۲)

ہمیں قاضی صاحب کے اس دعویٰ سے اتفاق نہیں کہ اس حصے کے اسما بالکل صحیح ہیں جب خود ان کے بقول ''دیگر معلومات بعض جگہ مشکوک ہیں'' تو ناموں کے سو فیصد درست ہونے کا دعویٰ بھی محل نظر ہے۔ البتہ تارح سے حضرت آدم علیہ السلام تک پشتوں کی تعداد کا کم ہونا زیادہ قابل اعتراض نہیں کیونکہ اس دور میں عمریں طویل تھیں۔ نسب نامے کے دوسرے حصے میں بھی اگر پہلے حصے کی اوسط عمر فی پشت ۵۵ سال کا اعتبار کیا جائے تو اس حصے کے اسما کی تعداد چالیس نہیں بلکہ (۱۳۵۷ تقسیم ۵۵)۔ تقریباً ۲۵ ہونی چاہیئے۔ کچھ حضرات مثلاً امام بخاریؒ نے یہاں اسما کی تعداد صرف نو لکھی ہے یہ طریقہ کہ نسب نامے میں

صرف چند مشاہیر کے نام لے کر اختصار سے کام لیا جائے، بنو اسرائیل میں بھی رائج تھا، مثلاً انجیل متی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نسب بیان کرتے ہوئے عنوان یہ قائم کیا گیا ہے۔ یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابرہام کا نسب نامہ۔

کچھ نے اسما کی تعداد تیس بیان کی ہے اور ابن جریر طبری اور ابن سعد نے چالیس بیان کی ہے۔ طبریؒ نے لکھا ہے کہ مجھ سے بعض نسب دانوں نے بیان کیا ہے کہ میں نے عرب میں ایسے علماء کو دیکھا ہے جو معد بن عدنان سے لے کر حضرت اسماعیلؑ تک چالیس پشتوں کے نام لیتے تھے اور اس کے ثبوت میں عرب کے اشعار پیش کرتے تھے۔ اس شخص کا یہ بھی بیان تھا کہ میں نے اس سلسلے کو اہل کتاب کی تحقیقات سے ملایا تو پشتوں کی تعداد برابر تھی البتہ ناموں میں فرق تھا۔ جو زبانوں کے فرق کی وجہ سے تھا کیونکہ ان ناموں کا ترجمہ عبرانی زبان سے کیا گیا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ شہر تدمر میں ایک یہودی تھا جس کا نام ابو یعقوب تھا وہ مسلمان ہو گیا تھا اس کا کہنا تھا کہ ارمیاہ پیغمبر کے کاتب نے عدنان کا جو نسب نامہ لکھا تھا وہ میرے پاس موجود ہے، اس شجرے میں بھی عدنان سے لے کر حضرت اسماعیلؑ تک چالیس نام ہیں (۱۶۱)۔ علامہ سہیلیؒ نے بھی روض الانف میں بہت سے حوالوں اور تاریخی شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ عدنان سے حضرت اسماعیلؑ تک چالیس پشتیں ہیں۔ لیکن جیسا کہ قبل ازیں ہم نے فی پشت اوسط عمر کا حساب لگایا ہے۔ اس سے بھی اور خود نسابین کے باہم اختلاف سے بھی معلوم ہو رہا ہے کہ نسب نامے کا تیسرا اور دوسرا دونوں حصے ظنّی ہیں جو حضرات ان کے سو فیصد یقینی اور قطعی ہونے کے مدعی ہیں تو اُن پر کَذَبَ النسّابون کا اطلاق صحیح ہوگا۔ یہ دونوں حصے ظن غالب کی بنا پر درست سمجھے جاتے ہیں۔ دوسرے حصے کی پشتوں کی تعداد میں مسلمان نُسابین کا جو اختلاف ہے اس سے بعض متعصب مستشرقین نے یہ غلط نتیجہ اخذ کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے ہونا ثابت ہی نہیں۔ حالانکہ بائبل میں حضرت ابراہیمؑ سے حضرت آدمؑ تک کا جو نسب نامہ مذکور ہے اس کا صحیح ہونا بھی یقینی نہیں اور اناجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو نسب نامے مذکور ہیں ان میں تو یقینی اغلاط موجود ہیں۔ ہم مستشرقین کے مذکورہ اعتراض کا اناجیل میں مذکور ان نسب ناموں کی روشنی میں اگلے عنوان کے تحت انشاء اللہ بھرپور اور مدلّل تعاقب کریں گے، سردست یہ بتانا مقصود ہے کہ نبوی نسب نامے کے پہلے حصے کا صحیح ہونا تو متفق علیہ ہے دوسرے اور تیسرے حصے کا صحیح ہونا یقینی اور قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسبی شرف وعظمت جب قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے تو اس سلسلے میں نسب نامے کے سب حصوں

کا بیان صرف تاریخی اور زمنی تقاضوں کے پیش نظر کیا جا رہا ہے۔ آپ کی طہارت نسب پر بہت سی روایات ایسی بھی ہیں جو نفس مضمون کے اعتبار سے تو یقیناً درست ہیں لیکن اسناد کے اعتبار سے محدثانہ معیار تحقیق پر پوری نہیں اترتیں، قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کے بعد ہمیں ان روایات کے سہارے کی ضرورت بھی نہیں۔ ایسی بعض روایات امام بیہقیؒ کی دلائل النبوۃ اور طبرانیؒ کی معجم کبیر وغیرہ کتب میں موجود ہیں (۱۶۲)۔

نسب نبوی ﷺ کا پہلا حصہ:

نمبر شمار	اسماء	نمبر شمار	اسماء
۱	عبداللہ	۲	عبدالمطلب
۳	ہاشم	۴	عبد مناف
۵	قصّی	۶	کلاب
۷	مرّہ	۸	کعب
۹	لوئی	۱۰	غالب
۱۱	فہر	۱۲	مالک
۱۳	نضر	۱۴	کنانہ
۱۵	خزیمۃ	۱۶	مُدرکہ
۱۷	الیاس	۱۸	مُضر
۱۹	نزار	۲۰	مَعد
۲۱	عدنان		

نسب نبوی ﷺ کے پہلے حصے کی وضاحت

اولاد کے شجرے میں جن اسما کا ذکر پہلے نمبر پر کیا گیا ہے وہ رسول اکرم ﷺ کے اجداد میں شامل ہیں۔

۱۔ عدنان

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ نسب میں اکیسویں پشت میں ہیں، یہ اسرائیلی انبیاء حضرت یر

میاۃ اور حضرت برخیا کے ہم عصر ہیں۔ بخت نصر کا دور بھی یہی ہے۔ان اسرائیلی انبیا نے بخت نصر کو متنبہ کیا تھا کہ وہ عدنان پر حملہ آور نہ ہو البتہ دیگر قبائل پر وہ حملہ کر سکتا ہے۔ بخت نصر مفتوحہ عرب قبائل کے لوگوں کو لے گیا اور انہیں وادی فرات میں آباد کیا۔ انہی لوگوں نے عرب کی ایک قدیم سلطنت کی بنیاد رکھی تھی۔

اولاد کا شجرہ

عدنان

مَعَد	عَک

عک یمن چلا گیا تھا اور وہیں قحطانی قبیلے اشعر میں شادی کی اس لئے بعض اہل یمن اپنے آپ کو بنو اسماعیل قرار دیتے ہیں۔

۲۔مَعدّ

بخت نصر نے عرب پر حملہ کیا تو بنو عدنان یمن چلے گئے لیکن معدّ کو اسرائیلی پیغمبر حضرت یرمیاۃ شام لے گئے۔ بخت نصر کے اثرات ختم ہونے پر معد اپنے وطن واپس آ گئے۔انہیں حضرت اسماعیلؑ کے ننھیالی خاندان بنو جرہم کا ایک ہی شخص جرشم بن جلھمہ ملا۔جس کی لڑکی سے انہوں نے شادی کر لی۔ معد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں بیسویں پشت پر ہیں۔

اولاد کا شجرہ

معدّ

نزار	قنص	قضاعہ (بقول بعض)

کہا جاتا ہے کہ قنص کی نسل نہیں چلی البتہ نسابین ملوک حیرہ/مناذرہ کے نعمان بن مُنذر کو اس کی نسل سے قرار دیتے ہیں۔بعض کے خیال میں قضاعہ معد کا سب سے بڑا بیٹا ہے۔ان کے نزدیک بنو قضاعہ اور اس کی جملہ شاخوں کا تعلق بنو اسماعیل سے ہے یعنی یہ عدنانی قبائل ہیں قحطانی نہیں۔

۳۔نزار

نزار بن معد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں انیسویں پشت میں ہیں ان کی کنیت ابوایاد ہے۔

اولاد کا شجرہ

نزار

مُضر	ربیعہ	ایاد	انمار

نزار کے دو بیٹوں مُضر اور ربیعہ کی نسل خوب پھلی پھولی۔ ربیعہ کی اولاد بحرین اور عراق میں پھیل گئی۔ بحرین کے عبد القیس اور بنو ناجیہ، عراق کے بنو بکر بن وائل، بنو تغلب بن وائل ربیعہ کی نسل سے ہیں۔ بنو عزہ، بنو شیبان اور بنو یشکر کا تعلق بھی قبائل ربیعہ سے ہے۔ نزار کا ایک بیٹا ایاد عراق چلا گیا تھا۔ ملوک حیرہ کی فوج میں ایاد کی اولاد کے ہی اکثر لوگ شامل تھے۔ بعد میں یہ لوگ عراق کے نواح میں ایرانی علاقوں پر چھاپہ مار حملے کرتے رہے۔ انمار کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ یمن چلا گیا تھا وہیں اس نے شادی کر لی۔ بعض نسابین کے خیال میں یمن کے قبائل خثعم اور بجیلہ اسی انمار کی نسل سے ہیں مشہور صحابی حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کا تعلق قبیلہ بجیلہ سے ہے۔

۴۔ مُضر

مضر بن نزار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں اٹھارہویں پشت میں ہیں۔ اونٹوں کے لئے حدی انہی کی ایجاد ہے۔ نہایت خوش آواز تھے۔ ان کا اصل نام عمرو تھا اپنے بیٹے الیاس کی نسبت سے ان کی کنیت ابو الیاس تھی۔

۵۔ الیاس

الیاس بن مضر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں سترہویں پشت میں ہیں۔

اولاد کا شجرہ

الیاس

مدرکہ   طابخہ   قمعہ

بقول ابن اسحاق مدرکہ کا نام عامر اور طابخہ کا نام عمرو تھا۔ ایک بار دونوں نے شکار کیا۔ جب وہ شکار کا گوشت پکا رہے تھے تو ان کے اونٹ بھاگ نکلے۔ عامر اونٹوں کی تلاش میں نکلا اور انہیں واپس لے آیا جبکہ عمرو گوشت پکانے میں مصروف رہا۔ جب دونوں اپنے باپ الیاس کے پاس پہنچے تو باپ نے عامر کو مُدرکہ اور عمرو کو طابخہ کا نام دیا۔ یہ دونوں بھائی اپنی ماں کی نسبت سے بنو خندف کہلائے۔ طابخہ کی نسل سے بنو تمیم کا کثیر التعداد قبیلہ، ضبہ، حمیساء، عُکل، ثور، رباب، مآذن، ذبیان، عائذاہ کے قبائل ہیں اور مدرکہ کی اولاد کی طرح یہ سب بنو خندف ہیں۔ الیاس کے تیسرے بیٹے قمعہ کی اولاد کو قیس عیلان کہا جاتا ہے۔ یہ قیسی قبیلے طائف، نجد، اور مدینہ کے نواح میں بڑی تعداد میں تھے۔ ان میں غطفان، ہوازن، سُلیم، بکر، ثقیف، سعد، ذبیان، فرازہ، عبس، کلاب، باہلہ اور ہلال وغیرہ مشہور ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی

والدہ حضرت حلیمہ کا تعلق قبیلہ بنو سعد سے ہے۔ بعض نسابین بنوخزاعہ کو بھی قمعہ کی اولاد سے قرار دیتے ہیں۔

۶۔ مدرکہ

مدرکہ بن الیاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں سولہویں پشت میں ہیں۔ ان کا نام عامر اور کنیت ابو ہذیل تھی۔

اولاد کا شجرہ

مدرکہ

خزیمہ	ہذیل

ہذیل کی اولاد ہذلی کہلائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہذلی ہیں ان کا نسب گیارہ واسطوں سے ہذیل تک پہنچ جاتا ہے۔ بنولحیان کا تعلق بھی ہذیل کی نسل سے ہے۔

۷۔ خزیمہ

خزیمہ بن مدرکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں پندرہویں پشت میں ہیں۔ ان کی کنیت ابوالاسد تھی۔

اولاد کا شجرہ

خزیمہ

کنانہ	ہون	اسد

بنوھون سے ویش، قارہ یا عُضل کے قبائل ہیں۔ اور بنو اسد سے حملہ، کاہل، عمرو اور دودان کے قبائل وجود پذیر ہوئے۔ ان کے بطون میں بنوقفصص، بنوالصیداء، بنونضر بن قعین، بنو غاضرہ اور بنونعامہ مشہور ہیں۔ قارہ اور ویش کے قبائل مکہ سے باہر آباد تھے اور تیراندازی میں انہیں بڑی شہرت اور مہارت حاصل تھی۔

۸۔ کنانہ

کنانہ بن خزیمہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں چودہویں پشت میں ہیں ان کی اولاد بنو کنانہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

اولاد کا شجرہ

کنانہ

نضر	مالک	ملکان	عبدمناۃ

بنو مالک سے ذیلی قبائل بنو فقیم اور بنو فراس ہیں۔ ملکان کی اولاد کو شہرت حاصل نہیں ہوئی۔ عبد مناۃ کی اولاد میں، بنو مصطلق، بنو مدلج، بنو جزیمہ اور بنو لیث ہیں۔

۹۔ نضر

نضر بن کنانہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں تیرہویں پشت میں ہیں۔ ان کا اصل نام قیس تھا لیکن ان کے حسن و جمال کی وجہ سے انہیں نضر کہا جاتا تھا۔ کنیت ابو یخلد تھی۔

اولاد کا شجرہ

نضر

مالک　　یخلد　　صلت

بقول ابن اسحاق نضر کے مالک اور یخلد دو بیٹے تھے۔ بقول ابن ہشام نضر کے تیسرے بیٹے کا نام صلت ہے اور قبیلہ بنو ملیح اسی صلت کی نسل سے ہے۔ یخلد کی اولاد کو شہرت حاصل نہیں ہوئی، کہا جاتا ہے کہ اس کی اولاد مالک بن کنانہ کی نسل بنو عمرو بن حارث بن مالک میں ضم ہو گئی۔ نسابین کی ایک جماعت نضر کو ہی قریش قرار دینے والوں کی تائید ایک مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ اشعث بن قیس کا بیان ہے کہ میں کندہ کے وفد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ سے عرض کیا کہ میرا خیال ہے کہ آپ بہ لحاظ نسب ہم میں سے ہیں، تو آپ نے فرمایا:

نحن بنو النضر بن كنانة لانقفوا امنا و لا ننتفي عن ابينا (۱۶۳)

ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں ہم اپنی ماں کو مطعون نہیں کرتے اور اپنے باپ سے (نسب کی) نفی نہیں کرتے۔

نسابین کا دوسرا گروہ نضر بن کنانہ کے پوتے فہر بن مالک کو قریش قرار دیتا ہے۔ اشعث بن قیس کہا کرتے تھے کہ جو نضر بن کنانہ سے قریش کی نفی کرے میں اسے حد میں کوڑے لگاؤں گا۔ چونکہ مالک کے علاوہ نضر کے دوسرے بیٹوں یخلد اور صلت کی اولاد دوسروں میں ضم ہو گئی اس لئے کہا جاتا ہے کہ نضر کی نسل مالک ہی سے چلی ہے اور بعض محدثین کے نزدیک مالک کا ایک ہی بیٹا فہر تھا لہٰذا نضر یا فہر میں سے جسے بھی قریش قرار دیا جائے اس سے چنداں فرق نہیں پڑتا۔

۱۰۔ مالک

مالک بن نضر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں بارہویں پشت میں ہیں۔ ان کے بیٹے کا

نام فہر تھا۔ اکثر ماہرین انساب فہر ہی کو قریش کا لقب دیتے ہیں۔

۱۱۔فہر

فہر بن مالک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں گیارہویں پشت میں ہیں اکثر نسابین انہی کو قریش کہتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ قریش ان کا نام ہے اور فہر لقب ہے قریش سمندر کی بڑی مچھلی کو کہتے ہیں۔ فہر اور اس کی اولاد کو قریش اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ دیگر تمام قبائل سے طاقتور اور عظیم الشان ہیں قریش کی وجہ تسمیہ میں اور بھی کئی اقوال ہیں۔

اولادکا شجرہ

فہر

غالب محارب حارث

بنو محارب اور بنو حارث کو مکہ کے بیرونی حصے میں آباد ہونے کی وجہ سے قریش الظواہر کہا جاتا ہے۔

۱۲۔غالب

غالب بن فہر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں دسویں پشت میں ہیں۔

اولاد کا شجرہ

غالب

لؤی تیم الادرم

بنو الادرم بھی مکہ کے باہر آباد ہونے کی وجہ سے قریش الظواہر کہلاتے تھے۔ عبداللہ بن خطل اسی خاندان سے ہے۔ غالب کی اپنے بیٹے تیم کے نام پر کنیت ابو تیم تھی۔

۱۳۔لوی

لوی بن غالب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں نویں پشت میں ہیں۔ ان کی کنیت ابو کعب تھی۔

اولاد کا شجرہ

لوئ

کعب عامر عوف حارث سامہ

(عوف) حسل۔معیص

لویؑ کی اولاد میں کعب کے علاوہ صرف عامر بن لوی سے قریش کا ایک بطن قائم ہوا۔ عامر کے دو بیٹے حسل اور معیص تھے۔ بنو حسل سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ابو ہبرہ بن ابی رہم، عبداللہ بن مخرمہ، حاطب بن عمرو، عبداللہ بن سہیل بن عمرو، وہب بن سعد بن ابی سرح بدری صحابہ کرامؓ کا تعلق ہے۔ مشہور نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتوم کا تعلق بنو معیص سے ہے۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ بھی اسی خاندان سے ہیں۔ ام المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ کا بھی یہی خاندان ہے۔ صلح خالہ حدیبیہ میں قریش مکہ کے سفیر سہیل بن عمرو بھی اسی خاندان سے ہیں، انہوں نے بعد میں اسلام قبول کرلیا تھا۔

۱۴۔ کعب

کعب بن لوی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں آٹھویں پشت میں ہیں۔ ان کی کنیت ابو ہُصَیص تھی۔

اولاد کا شجرہ

	کعب	
مُرّہ	عدی	ہُصَیص

عدی کی اولاد بنو عدی سے بعثت نبوی سے پہلے کے مشہور موحد زید بن عمرو بن نُفَیل کا تعلق ہے۔ نیز حضرت عمر فاروقؓ، حضرت سعید بن زید، زید بن خطاب، عبداللہ بن نضلہ، عدی بن نضلہ، فاطمہ بنت خطاب اور لیلیٰ بنت ابی حثمہ بھی اسی خاندان بنو عدی سے ہیں۔ کعب کے دوسرے بیٹے ہُصیص کا ایک بیٹا عمرو تھا۔ عمرو کے دو بیٹوں سہم اور جمح سے دو خاندان بنو سہم اور بنو جمح چلے۔ بنو سہم سے حضرت عمرؓ کے داماد اور بدری صحابی حضرت خُنیس بن حذافہ کا تعلق ہے۔ حضرت ہشامؓ بن عاص اور فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص بھی اسی خاندان سے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دور کا مشہور قریشی سردار عاص بن وائل کا بھی یہی خاندان ہے مذکورہ ہشام اور عمرو اسی کے بیٹے تھے۔ بنو جمح سے حضرت عثمان بن مظعون، عبداللہ بن مظعون، قدامہ بن مظعون، سائب بن عبداللہ بن مظعون اور معمر بن حارث بدری اصحابؓ کا تعلق ہے۔

سب سے پہلے جمعہ کے دن جمع ہونے کا رواج کعب بن لوی سے چلا ہے وہ جمعہ کے دن لوگوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھتے تھے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے، لوگوں کو نصیحت کرتے اور صلہ رحمی وغیرہ نیک

اخلاق کی تعلیم دیتے تھے۔ اس سے پہلے جمعہ کو یوم العروبہ کہا جاتا تھا۔ کعب کو قریش میں بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ عرب میں ان کا سن جاری ہوگیا تھا جو واقعہ فیل تک چلتا رہا۔ کعب لوگوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت بھی دیا کرتے تھے۔

۱۵۔ مرّہ

مرّہ بن کعب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں ساتویں پشت میں ہیں۔ ان کی کنیت ابو یقظہ تھی۔

اولاد کا شجرہ

مرّہ

کلاب — تیم — یقظہ

بنو تیم سے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت طلحہؓ بن عبداللہ اور حضرت ابوبکرؓ کی والدہ ام الخیر کا تعلق ہے۔ مرّہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اجداد میں چھٹی پشت میں ہیں۔ دور جاہلیت کا مشہور شخص عبداللہ بن جُدعان بھی اسی خاندان سے وابستہ ہے۔ عبداللہ بن جدعان، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے والد ابو قحافہ عثمانؓ کا چچازاد بھائی تھا اور اپنی جود و سخاوت کی وجہ سے قریش میں ممتاز تھا۔ وہ لوگوں کی ضیافت کھجور، ستو اور دودھ وغیرہ سے کیا کرتا تھا۔ بایں ہمہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ابن جدعان لوگوں کو کھانا کھلاتا اور مہمانوں کی ضیافت کیا کرتا تھا تو کیا قیامت کے دن اس کے یہ کام اس کے لئے مفید ہونگے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں کیونکہ اس نے ایک دن بھی یہ بات نہیں کہی ربّ اغفرلی خطیئتی یوم الدین ''اے میرے رب قیامت کے دن میرے گناہ بخش دے'' (۱۶۴)

مرہ کے دوسرے بیٹے یقظہ کے بیٹے کا نام مخزوم تھا۔ بنو مخزوم کی شاخ کثیر التعداد، متمول اور با اثر تھی۔ بدترین دشمن اسلام اور اس امت کا فرعون ابوجہل عمرو بن ہشام اسی خاندان سے وابستہ ہے۔ دشمنان اسلام ابوقیس بن فاکہہ، زھیر بن امیہ، ہبیرہ بن ابی وہب کا بھی اسی خاندان سے تعلق ہے۔ مشہور سرداران قریش ولید بن مغیرہ اور ابوامیہ بن مغیرہ بھی مخزومی تھے۔ صحابہ کرامؓ میں سے قدیم الاسلام حضرت ابوسلمہ، ام المومنین حضرت ام سلمہؓ جو پہلے ابوسلمہؓ کے نکاح میں تھیں، حضرت خالد بن ولیدؓ، ولیدؓ بن ولید، عباسؓ بن ربیعہ اسی خاندان سے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی فاطمہ بنت عمرو، حضرت عمر

فاروقؓ کی والدہ حنتمہ بنت ہشام بھی مخزومی ہیں۔آپ ﷺ کی دو پھوپھیوں برّہ اور عاتکہ کا نکاح بھی اسی خاندان میں ہوا تھا۔بنومخزوم میں عبداللہ بن ابی ربیعہ، حارث بن ہشام،عکرمہ بن (ابوجہل) عمرو بن ہشام ابتدا میں اسلام کے شدید مخالفین میں سے تھے لیکن بعد میں اسلام کے جان نثار ثابت ہوئے۔

۱۶۔کلاب

کلاب بن مرّہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں چھٹی پشت میں ہیں۔ان کا نام حکیم اور کنیت ابوزہرہ تھی۔شکاری کتے بہ کثرت پال رکھنے کی وجہ سے کلاب کہلائے۔

اولاد کا شجرہ

کلاب

قصی زہرہ

بنوزہرہ سے عشرہ مبشرہ میں شامل دو اصحاب حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص وابستہ ہیں۔لیکن بنوزہرہ کا سب سے بڑا اشرف یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ اسی خاندان سے ہیں۔حضرت سعد بن ابی وقاص جو بنوزہرہ سے ہیں کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میرے ماموں ہیں مجھے کوئی اس جیسا اپنا ماموں دکھائے۔(۱۶۵)

سیدنا حضرت حمزہ سیدالشہداء کی والدہ ہالہ بنت اہیب بھی اسی خاندان سے ہیں۔

۱۷۔قصّی

قصی بن کلاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں پانچویں پشت میں ہیں۔ان کا اصل نام زید ہے۔

قصی کی والدہ فاطمہ بنت سعد نے اپنے شوہر کلاب کی موت کے بعد بنوقضاعہ کے بطن بنوعذرہ سے تعلق رکھنے والے ایک شخص ربیعہ بن حرام سے شادی کرلی۔قصی صغیرالسن تھے اس لئے ان کی والدہ انہیں اپنے ہمراہ مکہ سے دور اپنے خاوند کے ملک شام میں لے گئی اس لئے ان کا لقب قصی ہوا۔جوان ہونے پر قصی مکہ واپس آگئے۔قصی کا بھائی زہرہ نابینا ہو چکا تھا مگر اس نے بھائی کو سونگھ کر اور دیگر قرائن سے پہچان لیا۔خاندان کے دیگر افراد نے بھی قصی کو خوش آمدید کہا۔قصی نہایت تنومند اور خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ بہت زیرک اور عقل مند بھی تھے۔اس وقت مکہ کا سردار بنوخزاعہ کا حُلیل بن حبشیہ تھا اس نے اپنی لڑکی حبّی کی شادی قصّی سے کردی۔حُلیل کی وصیت کے مطابق اس کے مرنے کے بعد مکے کی امارت قصّی کے

ہاتھ لگی لیکن بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ قصی نے یہ حکومت اپنے زور بازو سے حاصل کی۔ قصی نے مکے کے اردگرد منتشر قریشی قبائل، اپنے اخیافی بھائیوں کے خاندان جسکا سربراہ رزاح بن ربیعہ تھا، بنوقضاعہ اور بعض دیگر قبائل کی مدد سے بنوخزاعہ کے خلاف جنگ لڑی اور انہیں مکہ سے نکال باہر کیا۔ ان خونریز جنگوں میں بالآخر یعمر بن عوف کنانی کو حَکَم مقرر کیا گیا تھا۔ یعمر نے فیصلہ سنایا کہ بیت اللہ (کعبہ) پر قصی کا بنوخزاعہ کی نسبت زیادہ حق ہے۔ قصی اور اس کے ساتھیوں نے ان لڑائیوں میں جن لوگوں کو قتل کیا ہے، میں اس قتل کو اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں لہٰذا قصی بنوبکر اور بنوخزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کرنے کا پابند نہیں ہوگا جبکہ بنوبکر اور بنوخزاعہ، قصی کے مقتولین کی دیت ادا کریں گے۔ بنوخزاعہ، مکہ اور کعبہ قصی کے حوالے کریں گے۔ یعمر کا لقب اس دن سے شدّاخ (سرتوڑنے والا) پڑ گیا۔ قصی نے جزیرۃ العرب کے مختلف علاقوں میں اِدھر اُدھر منتشر قبائل قریش کو یکجا کر کے مکہ مکرمہ اور اس کے گردونواح میں آباد کیا اور حکومت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لے لی لیکن بنوصفوان، بنوعدوان اور بنوکنانہ کو ان کے مناصب پر بحال رکھا۔ نساۃ (رسم نسی کے ذریعہ قمری مہینوں میں معینہ مدت کے بعد ایک ماہ کا اضافہ کرنے والوں) کا تعلق بنوکنانہ سے تھا۔ جو قریشی قبائل مکہ کے اندرونی حصوں میں آباد ہوئے وہ قریش البطائح کہلائے جبکہ مکہ کے بیرونی حصوں میں آباد ہونے والے قریشی قبائل کو قریش الظواہر کہا جاتا تھا۔ قصی نے چونکہ تمام قبائل قریش کو یکجا کر دیا تھا اس لئے انہیں مجمع (جمع کرنے والا) بھی کہا جاتا ہے۔ قصی نے ایک شاندار مکی ریاست کی بنیاد رکھی جس کا تذکرہ علیحدہ عنوان کے تحت ہوگا۔

اولاد کا شجرہ

قصی

عبد مناف   عبدالدار   عبدالعزیٰ   عبد قصی

عبدالدار کی اولاد سے حضرت مصعبؓ بن عمیر علمبردار رسول ﷺ اور سوید بن سعد بدری صحابہ کا تعلق ہے۔ حضرت عثمانؓ بن طلحہ کلید بردار کعبہ بھی اسی خاندان سے وابستہ ہیں۔ فتح مکہ کے دن کعبے کی کلید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ بن طلحہ ہی کو واپس فرمائی تھی تاکہ ہمیشہ کے لئے یہی خاندان اس شرف سے ممتاز رہے۔ عثمانؓ کے بیٹے کا نام شیبہ تھا اس لئے یہ لوگ بنوشیبہ کہلائے۔ بنوعبدالدار کی نسل سے دشمن اسلام نضر بن حارث بھی وابستہ ہے۔ عبدالعزیٰ کے خاندان سے ام المومنین حضرت خدیجہؓ بنت خویلد، عشرہ مبشرہ میں شامل حضرت زبیرؓ بن العوام اور سابق الاسلام حضرت اسود بن نوفل بن خویلد کا

تعلق ہے۔ ورقہ بن نوفل اور حکیم بن حزام بھی اسی خاندان سے ہیں۔ ابوالبختری بھی اسی خاندان سے ہے اس نے اسلام قبول نہیں کیا لیکن مکی دور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کرتا تھا۔ اسلام دشمن اسود بن مطلب کا بھی اسی خاندان سے تعلق ہے۔ قصی کے چوتھے بیٹے عبد قصی کی اولاد سے قدیم الاسلام صحابی حضرت طلیبؓ بن عمیر کا تعلق ہے۔

۱۸۔ عبد مناف

عبد مناف بن قصی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں چوتھی پشت میں ہیں۔ ان کا اصل نام مغیرہ ہے۔ نہایت حسین وجمیل تھے اس لئے ان کا لقب قمر البطحاء پڑ گیا۔ خدا ترسی اور صلہ رحمی کی تعلیم دیتے تھے۔

اولاد کا شجرہ

عبد مناف

ہاشم	مطلب	عبد شمس	نوفل

الف: مطلب کی نسل سے مشاہیر کا نام: بدری صحابہ حضرت عبیدہ بن حارث، طفیل بن حارث، حصین بن حارث، مسطح بن اثاثہ۔ مشہور پہلوان رکانہ بن عبد یزید۔

ب: عبد شمس کی نسل سے مشاہیر کے نام: ربیعہ، حبیب، عبدالعزی، امیہ اکبر یہ سب عبد شمس کے بیٹے ہیں ربیعہ کے دو بیٹے عتبہ اور شیبہ اسلام کے مخالفین میں سے تھے۔ قدیم الاسلام حضرت ابوحذیفہؓ حضرت امیر معاویہؓ کی والدہ حضرت ہندؓ بنت عتبہ اسی خاندان سے ہیں۔ حبیب بن عبد شمس کی نسل سے فاتح خراسان حضرت عبداللہ بن عامر، فاتح سیستان وکابل حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ، حضرت عثمان غنی کی والدہ اروی بنت کریز وابستہ ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پھوپھی ام الحکیم بیضاء بنت عبدالمطلب اسی خاندان میں بیاہی گئیں۔

عبدالعزیٰ کی نسل سے حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوہر حضرت ابوالعاص بن ربیع کا تعلق ہے یہ ابوالعاص ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے۔

امیہ اکبر کا خاندان بہت پھیلا اس کے دس بیٹے تھے، حرب، ابوحرب، سفیان، ابوسفیان، عمرو، ابوعمرو، عاص، ابوالعاص، عیص، ابوالعیص۔

حرب کی نسل میں ابوسفیانؓ، یزید بن ابی سفیانؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ ہیں ابوعمرو کی اولاد میں مشہور دشمن اسلام عقبہ بن ابی معیط ہے۔ عاص کی نسل میں دشمن اسلام ابواجیحہ سعید بن عاص ہے۔ مگر اس کے بیٹے

خالد بن سعید اور عمرو بن سعید سابق الاسلام ہیں۔ ابوالعاص کی نسل سے حضرت عثمان غنیؓ، حکم بن ابی العاص اور اس کا بیٹا مروان بن حکم ہے جو خلافت بنی امیہ دمشق و قرطبہ (اندلس ریپین) کا بانی ہے۔ ابوالعیص کی نسل سے حضرت عتاب بن اسید اور خالد بن سعید ہیں۔ حضرت عتابؓ بن اسید فتح مکہ کے روز اسلام لائے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مکہ کے عامل مقرر ہوئے۔ امیہ اکبر کے دوسرے بیٹوں کی نسل منقطع ہوگئی۔

(ج) نوفل کی نسل سے مشہور دشمن اسلام طعیمہ بن عدی ہے: مطعم بن عدی گو ایمان نہیں لایا مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمدرد تھا۔ اسی خاندان سے حضرت جبیرؓ بن مطعم صحابی رسول ہیں۔

عبد مناف کے چاروں بیٹوں ہاشم، مطلب، عبد شمس اور نوفل کو المجیرون کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے قریش کے لئے مختلف حکمرانوں سے امان اور راہ داری کے پروانے حاصل کر لئے تھے۔ ہاشم نے قیصر روم، ملوک شام غسان سے پروانہ راہ داری حاصل کیا۔ عبد شمس نے نجاشی حبشہ سے، نوفل نے کسرائے ایران سے اور مطلب نے یمن کے ملوک حمیر سے پروانے حاصل کئے۔ ہاشم کے پاس اپنے باپ کے بعد سقایہ (حجاج کو پانی پلانے) اور رفادہ (فقراء، ومساکین اور حجاج ومسافرین کو کھانا کھلانے اور ان کی مالی اعانت کرنے) کے مناصب تھے۔ ہاشم کے بھائی مطلب کے پاس اقارب کے نسب کو یاد اور محفوظ رکھنے کا منصب تھا۔ ان دونوں بھائیوں کے خاندان دور جاہلیت اور اسلام میں ایک دوسرے کے ساتھ رہے۔ بعثت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دور میں جب بنو ہاشم کو شعب بنی ہاشم میں محصور ہونا پڑا تو بنو مطلب بھی ان کے ساتھ تھے لیکن بنو عبد شمس اور بنو نوفل ان سے علیحدہ رہے۔ صحیح بخاری میں حضرت جبیرؓ بن مطعم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے اموال غنیمت سے خُمس کی تقسیم اپنے اقارب میں فرمائی تو بنو ہاشم اور بنو مطلب کو حصہ دیا۔ سنن ابو داؤد اور سنن نسائی میں ہے کہ بنو امیہ بن عبد شمس اور بنو نوفل نے بھی اپنا استحقاق ظاہر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

انّما بنو هاشم و بنو المطلب شئی واحد هٰکذا و شبّک بین اصابعه (۱۶۶)

بات یہ ہے کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب تو ایک ہی چیز ہیں اور آپ نے اپنے (ہاتھوں کی) انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر فرمایا، اس طرح۔

عجیب اتفاق ہے کہ ان چاروں بھائیوں کا انتقال الگ الگ مقامات پر ہوا۔ ہاشم کا انتقال ملک شام میں غزّہ کے مقام پر ہوا۔ عبدشمس کی موت مکے میں ہوئی۔ نوفل عراق میں سلمان کے علاقے میں فوت ہوا اور مطلب کا انتقال یمن کے راستے میں بردمان کے علاقے میں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا پانچواں بھائی عبدقصی نام کا بھی تھا لیکن اس کی نسل نہیں چلی۔

۱۹۔ ہاشم

ہاشم بن عبدمناف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں تیسری پشت میں ہیں۔ ان کا اصل نام عمرو اور کنیت ابوزید اور ابوالاسد تھی۔ مکے میں قحط سالی کے دنوں میں روٹیوں کو شوربے میں چورہ کر کے لوگوں کو کھلایا کرتے تھے۔ ہشم کے معنی چورہ کرنے کے ہیں اس لئے یہ ہاشم کے نام سے مشہور ہوگئے۔ سخاوت میں مشہور اور نہایت حسین و جمیل تھے۔ آپ نے سب سے پہلے قریش میں یہ طریقہ جاری کیا کہ مکہ سے تجارتی قافلے سال میں دو مرتبہ موسم گرما میں شام کی طرف اور موسم سرما میں یمن وحبشہ کی طرف روانہ ہوا کریں۔ قیصر روم اور نجاشی شاہ حبشہ آپ کا نہایت احترام کرتے تھے۔ آپ نے موسم حج میں حوض بنوا کر حجاج کے لئے پانی کا انتظام کیا اور ان کے طعام و قیام کی سہولتوں پر ہر سال ایک خطیر رقم مختص کرنے کی بنیاد ڈالی۔

اولاد کا شجرہ

ہاشم

شیبہ (عبدالمطلب)   اسد   ابوصیفی   نضلہ

اسد کی صاحبزادی کا نام فاطمہؓ بنت اسد ہے جو حضرت علیؓ بن ابی طالب کی والدہ ہیں۔ ابوصیفی اور نضلہ کی اولاد کے حالات تاریخ میں محفوظ نہیں۔ البتہ حضرت عبدالمطلب نے جو معاہدہ بنوخزاعہ کے ساتھ کیا تھا اس میں ابوصیفی کے دو بیٹوں ضحاک اور عمرو اور نضلہ کے ایک بیٹے ارقم کا بھی ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اپنے چچا حضرت عبدالمطلب کے ساتھ اس معاہدے میں شریک تھے۔ ہاشم کی اولاد جو حضرت عبدالمطلب سے چلی اسے شہرت دوام حاصل ہے۔

۔ عبدالمطلب

حضرت عبدالمطلب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہیں۔ ان کا نام عامر اور لقب شیبہ تھا۔ ولادت کے وقت ان کے سر میں کچھ سفید بال تھے اس لئے لقب شیبہ ہوا۔ ان کے والد ہاشم نے اپنے ایک

تجارتی سفر میں شام جاتے ہوئے یثرب (مدینہ) میں عمرو بن زید خزرجی نجاری کے ہاں قیام کیا اور اس کی لڑکی سلمٰی بنت عمرو سے نکاح کر لیا۔ وہاں سے شام میں غزہ کے مقام پر پہنچے تو وہیں وفات پائی۔ اسی سلمٰی بنت عمرو سے ان کے صاحبزادے شیبہ (عبد المطلب) پیدا ہوئے۔ بچپن کا ابتدائی حصہ ننھیال میں ہی گزارا۔ بعد میں ان کے چچا مطلب انہیں ننھیال سے مکہ لے آئے اور نہایت پیار و شفقت سے اپنے بھتیجے کی پرورش کی۔ جب مطلب انہیں اپنے اونٹ پر پیچھے بٹھا کر مکہ لائے تو لوگوں کے پوچھنے پر بتایا کہ یہ میرا غلام ہے کیونکہ کپڑے میلے کچیلے تھے اس لئے مطلب نے حیا کی وجہ سے کہہ دیا کہ یہ میرا غلام ہے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ بھتیجا میلے کچیلے لباس میں کیوں ہے۔ مطلب نے مکہ پہنچ کر بھتیجے کو اچھا لباس پہنایا اور لوگوں پر ظاہر کیا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ لوگوں نے مطلب کو مبارک باد دی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ عبد المطلب اپنے چچا مطلب کے احسانات کے اعتراف میں اپنے آپ کو عبد المطلب یعنی مُطلب کا غلام کہا کرتے تھے۔ یہی نام ان کے اصل نام اور لقب پر غالب آ گیا تھا۔

حضرت عبد المطلب نہایت باوقار اور بارعب تھے۔ حسین و جمیل بھی تھے قریش میں نہایت معزز و محترم تھے۔ مہمان نواز اور سخی تھے۔ سب سے زیادہ قوی اور جسیم اور سب سے زیادہ بردبار اور حلیم تھے۔ اصلاح اور بھلائی کی طرف دعوت دینے والے اور فتنہ و شرّ سے نفرت کرنے والے تھے۔ ان کا ایک بڑا کارنامہ بیئر زمزم کی کھدائی ہے۔ مکہ مکرمہ پر حضرت اسماعیلؑ کے ننھیالی قبیلے بنو جرہم کی حکومت کوئی دو ہزار سال تک قائم رہی بعد میں بنو خزاعہ ان پر غالب آ گئے۔ بنو جرہم نے مکہ چھوڑتے وقت زمزم کے کنویں کو اس طرح بند کر دیا کہ زمین کے ساتھ ہموار ہو گیا۔ عرصہ دراز تک یہ اسی حالت میں رہا لوگوں کو معلوم تک نہ تھا کہ یہ کنواں کہاں ہے۔ حضرت عبد المطلب کو اپنے باپ کے بعد سقایہ اور رفادہ کے مناصب حاصل ہوئے۔ حضرت عبد المطلب کو خواب میں اس کنویں کا علم ہوا۔ چنانچہ حضرت عبد المطلب کا بیان ہے کہ میں حطیم میں محوِ خواب تھا کہ کسی نے مجھے خواب میں کہا احفر برّة برّہ کھودو۔ میں نے پوچھا کہ برّہ کہا ہے تو وہ شخص چلا گیا۔ اگلے روز پھر خواب میں نظر آیا اور مجھے کہا احفر المضونة یعنی مضنونہ کھودو۔ میں نے پوچھا کہ مضنونہ کیا ہے تو وہ چلا گیا۔ تیسرے روز پھر خواب میں نظر آیا اور کہا احفر طیبة یعنی طیبہ کھودو۔ میں نے پوچھا طیبہ کیا ہے تو وہ چلا گیا۔ چوتھے روز وہ پھر خواب میں نمودار ہوا اور مجھے کہا احفر زمزم یعنی زمزم کھودو۔ میں نے پوچھا زمزم کیا ہے تو اس نے کہا زمزم وہ کنواں ہے جس کا پانی ختم نہیں ہوتا اور نہ ہی کم ہوتا ہے، بے شمار حجاج کو سیراب کرتا ہے پھر اس کے کچھ نشانات بتائے۔ اس پر حضرت عبد المطلب کو اپنے

خواب کے سچے ہونے کا یقین ہو گیا۔ طیبہ، مضونہ اور برّہ یہ سب زمزم کے وصفی نام ہیں۔ طیبہ کا معنی پاکیزہ اور مضنونہ بمعنی قابل بخل ہے یعنی یہ ایسا پاکیزہ اور عمدہ پانی ہے کہ صرف اہل ایمان کے لائق ہے۔ برہ بمعنی عمدہ و کشادہ ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے اس جگہ کھدائی کی تو پانی نمودار ہو گیا دیگر قبائل قریش نے عبدالمطلب سے کہا کہ ہمیں بھی اس پانی میں شریک کیا جائے۔ عبدالمطلب کے انکار پر ایک کاہنہ کے پاس جانے کا فیصلہ ہوا لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے راستے میں عبدالمطلب کے پاس موجود پانی ختم ہو گیا لیکن قریش نے اس صحرا میں عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں کو پانی دینے سے انکار کر دیا کیونکہ ان کے پاس بھی پانی کی قلت تھی۔ جب عبدالمطلب اور ان کے ساتھی پیاس کی شدت سے جان بہ لب ہو گئے اور انہوں نے اپنے لئے قبریں کھود لیں تو اچانک عبدالمطلب کی اونٹنی کے پاؤں کے نیچے سے پانی نکل آیا۔ حضرت عبدالمطلب نے سبھی کو پانی پینے اور استعمال کرنے کی کھلی اجازت دی۔ اس پر قریش نے حضرت عبدالمطلب کا زمزم کے پانی پر استحقاق تسلیم کر لیا۔ یہ روایت ابن اسحاق کی ہے جو بسند حسن حضرت علیؓ تک پہنچتی ہے مگر یہ جو کہا جاتا ہے کہ زمزم کے کنویں کی کھدائی میں دو طلائی ہرن اور کچھ تلواریں ملی تھیں تو یہ روایت درجۂ صحت کو نہیں پہنچتی تاہم ایسی روایات کسی صحیح اسلامی عقیدے یا کسی شرعی مسئلے کے مُعارض نہیں ہیں۔ (۱۶۶)

امام مسلمؒ نے زمزم کے پانی کے متعلق حدیث بیان کی ہے۔

انها مباركة انها طعام طُعم و شفاء سُقم

زمزم برکت والا ہے، کھانے میں خوراک کا اور بیماریوں کے لئے شفا کا کام دیتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

ماء زمزم لما شُرب له (۱۶۷)

زمزم کا پانی جس مقصد کے لئے یا جس نیت سے پیا جائے تو وہ اسی کے لئے ہے۔

بقول ابن اسحاق بیئر زمزم کے نمودار ہونے سے پہلے مکے میں متعدد کنویں تھے جو بعد میں زمزم کی وجہ سے بند کر دیئے گئے۔ زمزم سے حجاج کو پانی پلانے (سقایہ) کا منصب زندگی بھر حضرت عبدالمطلب کے پاس رہا۔ ان کے انتقال کے بعد یہ منصب ان کے بیٹے ابو طالب کو ملا۔ حضرت ابو طالب نے مفلسی کی بنا پر اپنے بھائی حضرت عباسؓ سے دس ہزار درھم ادھار لئے جو انہوں نے حجاج کی ضیافت پر خرچ کر دئے۔ اگلے سال مزید چودہ ہزار درھم حضرت عباسؓ سے اس شرط پر لئے کہ اگر میں اگلے سال یہ رقم واپس نہ کر سکا تو سقایہ کا منصب تمہارے حوالے کر دوں گا۔ حضرت ابو طالب یہ رقم واپس کرنے سے قاصر

رہے اور سقایہ کا منصب حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد میں منتقل ہو گیا۔ حضرت عبدالمطلب کے دور کا دوسرا نہایت اہم واقعہ اصحاب الفیل کا ہے جنہوں نے ابرہہ حاکم یمن کی زیر قیادت خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے خبیث ارادے سے مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہونے کی ناکام کوشش کی لیکن یہ لشکر خدائی عذاب کا شکار ہو کر تباہ و برباد ہوا۔

اولاد کا شجرہ

حضرت عبدالمطلب

بیٹے: حضرت عبداللہ زبیر ابوطالب حارث ابولہب حمزہ عباس

مقوّم حجل ضرار

بیٹیاں: ام حکیم بیضاء اروٰی برّہ عاتکہ صفیہ

(الف) زبیر بن عبد المطلب: حضرت عبداللہ، زبیر اور ابوطالب کی والدہ فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ ہے اس لئے یہ تینوں عینی و حقیقی (باپ اور ماں دونوں طرف سے) بھائی ہیں۔ زبیر بن عبدالمطلب اپنے باپ کے وصی تھے۔ حارث بن عبدالمطلب اگرچہ بیٹوں میں سب سے بڑے تھے لیکن یہ باپ کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے حارث کے بعد زبیر سب سے بڑے تھے لہٰذا وصی قرار پائے۔ فصیح اللسان اور شاعر تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بیس سال تھی کہ قریش اور قیس عیلان کے قبائل میں جنگ چھڑ گئی جسے حرب الفجار کہا جاتا ہے جنگ کے بعد حلف الفضول کے نام سے امن کا ایک معاہدہ زبیر کی کوشش اور بھاگ دوڑ سے ہوا اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک ہوئے۔ زبیر بنو ہاشم کے نہایت معزز سردار تھے۔ سخی اور بہادر، خطیب اور شاعر تھے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ زبیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ ﷺ کے بچپن میں ہاتھ میں جھلایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے یہ محمد میرے بھائی عبداللہ کے بیٹے ہیں، خوب آسائش و آرام سے جئے اور بڑا اعلیٰ رتبہ پائے۔ زبیر کے بڑے بیٹے کا نام طاہر تھا جو جوانی میں ہی فوت ہو گیا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی یاد میں اپنے ایک صاحبزادے کا نام طاہر رکھا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چوبیس سال کے تھے کہ آپ ﷺ کے یہ چچا انتقال کر گئے۔ زبیر کے ایک بیٹے عبد اللہ بن زبیر صحابی تھے ان کی والدہ عاتکہ بنت ابی وہب کو آپ ﷺ ''میری ماں'' کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ عبداللہؓ بن زبیر غزوہ حنین میں اپنے چچا حضرت عباسؓ کے ساتھ تھے اور ثابت قدم رہے۔ ایک مرتبہ رسول

اکرم صلی اللہ کے یہ چچازاد بھائی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں اپنے پہلو میں بٹھایا، لباس عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ میری ماں کے بیٹے ہیں اور اس کے والد میرے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا کرتے تھے (۱۶۸)۔ دور حاضر کے بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت حضرت ابو طالب بن عبدالمطلب نے نہیں بلکہ زبیر بن عبد المطلب نے کی تھی۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ حضرت ابو طالب نے کی تھی ہم اس کی وضاحت بعد کے مباحث میں مناسب مقام پر کریں گے۔

(ب) ابو طالب بن عبد المطلب: ان کا اصل نام عبد مناف ہے۔ اپنے بڑے بیٹے کے نام پر کنیت ابو طالب تھی۔ جیسے آپ کے علاتی (باپ کی طرف سے) بھائی کا نام عبد العزیٰ اور کنیت ابولہب تھی۔ بعض شیعہ حضرات حضرت ابو طالب کے اس نام سے گھبرا کر ان کا نام عمران بتاتے ہیں۔ کیونکہ مناف اور عزیٰ دو بتوں کے نام تھے۔ لیکن انساب کے شیعہ ماہر سید جمال الدین ابن عتبہ نے اپنی کتاب عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب میں تسلیم کیا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ ابو طالب کا نام عبد مناف تھا اور عمران نام ہونے کی روایت ضعیف ہے۔ (۱۶۹) ابن کثیرؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ ان کا نام عمران نہیں بلکہ عبد مناف ہے (۱۷۰) حضرت عبدالمطلب کے انتقال کے بعد حضرت ابو طالب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفیل و سرپرست ہوئے اور عمر بھر آپ کی نصرت وحمایت کرتے رہے لیکن اسلام قبول نہیں کیا۔ حضرت ابوطالب کے چار بیٹے طالب، حضرت عقیلؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت علیؓ ہوئے۔ دو بیٹیاں ام ہانیؓ اور جمانہ تھیں ان سب کی والدہ فاطمہؓ بنت اسد تھیں جو مشرف بہ اسلام ہوئیں، مدینہ کی طرف ہجرت کی اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بے حد احترام فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ابوطالب کے بعد ان سے بڑھ کر میرے ساتھ عمدہ سلوک کرنے والا کوئی اور نہ تھا۔ طالب حضرت عقیلؓ سے دس برس بڑے تھے۔ اسلام قبول نہیں کیا۔ جنگ بدر میں بادل ناخواستہ کفار مکہ کے ساتھ تھے لیکن مسلمانوں سے جنگ نہیں کی اور مکہ واپس آ گئے۔ یہاں انہوں نے مقتولین بدر کا مرثیہ کہا اور کچھ اشعار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں بھی کہے۔ غزوہ بدر کے بعد وفات پائی (۱۷۱) کہا جاتا ہے کہ کہیں باہر گئے تھے واپس نہ آئے۔ غالباً کسی صحرا یا جنگل میں بھٹک گئے۔ حضرت عقیلؓ اپنے بھائی طالب سے دس برس چھوٹے اور حضرت جعفرؓ سے دس برس بڑے تھے۔ جنگ بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے اور جنگی قیدیوں میں شامل ہوئے۔ حضرت عباسؓ نے فدیہ دے کر چھڑایا تھا (۱۷۲) صلح حدیبیہ سے کچھ پہلے

اسلام قبول کیا اور سریہ مُوتہ میں اپنے بھائی جعفر طیارؓ کے ساتھ شریک تھے۔ بعض روایات کے مطابق فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا۔ غزوہ فتح مکہ اور غزوہ حنین میں غالباً بیمار ہونے کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے لیکن ابن سعد کے بقول غزوہ حنین میں شریک تھے اور ثابت قدم رہے۔ انساب قریش کے ماہر اور حاضر جواب تھے۔ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں ایک قرض کے معاملے میں حضرت علیؓ سے علیحدہ ہوکر امیر معاویہؓ سے جا ملے تھے (۱۷۳) حضرت عقیلؓ کے ایک صاحبزادے حضرت مسلم بن عقیلؓ سیدنا حضرت حسینؓ کے نائب کی حیثیت سے کوفہ گئے تھے۔ جہاں ذوالحجہ ۶۰ھ/ستمبر ۶۸۰ء میں شہید ہوئے۔ حضرت عقیلؓ کے دوسرے دو بیٹے محمد بن عقیلؓ اور عبدالرحمٰن بن عقیلؓ اور ایک پوتے عبداللہ بن مسلم بن عقیلؓ بھی سانحہ کربلا میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ حضرت جعفر طیارؓ، حضرت علیؓ، سے دس سال بڑے تھے۔ قدیم الاسلام تھے۔ نبوت کے مکی دور میں حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں مسلمانوں کی طرف سے انہوں نے ہی نہایت مؤثر اور فصیح تقریر فرمائی تھی جس سے متأثر ہوکر اصحمہ نجاشی نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ جمادی الاولیٰ سات ہجری/ستمبر ۶۲۸ء کے اواخر میں غزوہ خیبر کے ایام میں حبشہ سے خیبر پہنچ گئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آمد پر نہایت مسرور ہوئے۔ ۸ ہجری/ اوائل ۶۳۰ء میں سریہ موتہ میں شہید ہوئے۔ تلوار اور نیزے کے نوے سے زیادہ زخم ان کے جسم کے سامنے کے حصے پر تھے۔ دونوں بازو بھی کٹ گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں جنت میں اللہ تعالیٰ نے دو پر عنایت فرمادئے ہیں جن سے وہ اڑتے ہیں اس لئے ان کا لقب طیار ہوا (۱۷۳)۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ حضرت جعفرؓ مساکین کی دیکھ بھال کرتے تھے، اہل صفہ کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ (۱۷۴) ان کے متعدد بیٹے تھے ایک پوتے حضرت عدی بن عبداللہ بن جعفرؓ شہدائے کربلا میں شامل ہیں۔

سیدنا حضرت علیؓ جعفر طیارؓ سے دس برس چھوٹے تھے بعثت نبوی کے وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ فاطمہؓ کے شوہر ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد ذی الحجہ ۳۵ ہجری/ جون ۶۵۶ء میں خلیفہ ہوئے۔ اور رمضان المبارک چالیس ہجری/جنوری ۶۶۱ء میں ابن ملجم خارجی کے ہاتھوں مسجد کوفہ میں زخمی ہوکر مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کے دو صاحبزادے سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہما سیدہ فاطمہؓ بنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر بیویوں سے کوئی سولہ بیٹے ہوئے۔ سیدنا حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ کے دور حکومت میں

وفات پائی جبکہ سیدنا حضرت حسینؓ شہید کربلا ہیں۔ ۱۰ محرم ۶۱ ہجری/ ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ عیسوی کو بروز بدھ شہید ہوئے۔

حضرت ابوطالب کی دو بیٹیاں ام ہانیؓ اور جمانہ تھیں۔ حضرت ام ہانیؓ کا اصل نام ہند تھا بعض نے فاطمہ اور بعض نے فاختہ بھی لکھا ہے۔ ام ہانیؓ نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا ان کا خاوند ہبیرہ بن وہب مخزومی اسلام کے بدترین دشمنوں میں سے تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اشعار میں ہجو کیا کرتا تھا۔ فتح مکہ کے دن نجران بھاگ گیا اور غریب الوطنی میں موت سے ہم کنار ہوا۔ جُمانہ کے حالات کتب تواریخ میں نہیں ملتے البتہ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی پیداوار سے تیس وسق کھجور جمانہ بنت ابی طالب کے لئے مقرر فرمائی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا اور فتح خیبر کے زمانے میں زندہ تھیں۔

(ج) حارث بن عبد المطلب: حضرت عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے تھے اور اپنے والد کی زندگی میں ہی انتقال کر گئے۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ ابوسفیان مغیرہ، نوفل، عبداللہ اور ربیعہ۔

ابوسفیان مغیرہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہونے کے علاوہ رضاعی بھائی بھی ہیں کیونکہ دونوں نے حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا۔ ابتدا میں اسلام کے شدید مخالفین میں رہے۔ مگر فتح مکہ سے چند دن پہلے اسلام قبول کیا اور اپنی گزشتہ سنگین لغزشوں اور اسلام دشمنی پر ندامت کا اظہار کیا۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے نہایت فراخ دلی اور خندہ پیشانی سے معاف فرمادیا۔ فتح مکہ اور غزوہ حنین میں شریک ہوئے اور ثابت قدم رہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے بہت محبت تھی ان کے بیٹے عبداللہ بن ابی سفیانؓ اور جعفر بن ابی سفیانؓ دونوں صحابی ہیں۔ جعفر بھی غزوہ حنین میں شریک تھے۔

(د) ابو لھب بن عبد المطلب: اس کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ چچا بدترین دشمن اسلام ثابت ہوا۔ بعثت سے قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کا نکاح ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہو چکا تھا لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ ابولہب نے اپنے بیٹوں سے انہیں طلاق دلوائی، بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دونوں صاحبزادیوں کا نکاح یکے بعد دیگر سیدنا حضرت عثمان غنیؓ سے ہوا اسی لئے انہیں ذوالنورین کہا جاتا ہے۔ ابولہب جنگ بدر کے چند روز بعد طاعون سے ہلاک ہوگیا۔ اس کے بیٹے طاعون کے ڈر سے لاش کے قریب نہیں پھٹکتے تھے۔ لاش کے گلنے سڑنے سے جب بدبو پھیلنے لگی تو اس کے رشتہ داروں نے دور سے

لکڑیوں وغیرہ کے سہارے سے لاش کو نیچے گرایا اور دیوار پر چڑھ کر اس پر اتنی سنگ باری کی کہ وہ پتھروں کے ڈھیر کے نیچے چھپ گیا۔ اس کے دو بیٹے عتبہ اور عتیبہ حالت کفر میں بری طرح مرے۔ دو بیٹے عقبہ اور معقب فتح مکہ کے دن مسلمان ہو کر غزوہ حنین میں شریک ہوئے اس جنگ میں معقب کی ایک آنکھ بھی ضائع ہوگئی تھی۔ دونوں بھائی مکے میں ہی رہے۔ ابولہب کی بیٹی درّہ بنت ابی لہب بھی مسلمان ہوئی۔

(ہ) عباس بن عبد المطلب: حضرت عباسؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں دو سال بڑے تھے۔ سقایہ کا منصب آپ ہی کے پاس تھا۔ جنگ بدر میں کفار قریش کے ساتھ تھے۔ جنگی قیدی بن کر گرفتار ہوئے۔ رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمدرد تھے۔ جنگ بدر میں بادل ناخواستہ شریک ہوئے تھے۔ ہجرت سے قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ کے وفد سے مکہ میں جو بیعت عقبہ ثانیہ فرمائی تھی، اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر کے جلد بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن فتح مکہ سے کچھ روز پہلے تک مکہ میں ہی رہے۔ قریش مکہ کی خبریں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاتے رہے۔ غزوہ فتح مکہ اور غزوہ حنین میں شریک ہوئے۔ غزوہ حنین میں جب دشمن کی زبردست تیر اندازی سے اسلامی فوج میں بھگدڑ مچی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انہوں نے مہاجرین وانصار کو بآواز بلند بلانا شروع کیا۔ بالآخر مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا سے نہایت احترام سے پیش آتے تھے اور فرماتے تھے یہ میرے چچا ہیں اور میرے باپ کے برابر ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں کوئی اٹھاسی سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ ان کی اہلیہ ام فضل سے ان کے چھ بیٹے ہوئے۔ فضل، عبداللہ، عبیداللہ، معبد، قثم، عبدالرحمٰن اور ایک لڑکی ام حبیب ہوئی۔ عون، تمام، کثیر اور حارث دوسری ازواج سے پیدا ہوئے۔ فضل بن عباسؓ سب سے بڑے ہیں اور ان کی والدہ لبابۃ الصغریٰ کی کنیت ام الفضل انہی کے نام پر ہے۔ غزوہ حنین میں شریک تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کو غسل دینے میں حضرت علیؓ کے ساتھ شریک تھے اور ان کے ہاتھ پر پانی ڈالتے تھے۔ حضرت عباسؓ کے بیٹوں میں سب سے زیادہ شہرت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ہوئی۔ خلفائے بنی عباس انہی کی نسل سے تھے انکا لقب حبر الامۃ ہے۔ شعب بنی ہاشم میں محصوری کے ایام میں پیدا ہوئے۔ کوئی ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔ حسین وجمیل تھے۔ گفتگو میں فصاحت وبلاغت تھی۔ علوم شعر وانساب، ایام عرب، تاریخ عرب، حدیث، فقہ اور تفسیر میں ان کا تبحر مُسلّم ہے۔

ان سے کوئی ڈیڑھ ہزار سے زائد احادیث مروی ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے متعدد مرتبہ دعا فرمائی ایک دعا کے کلمات ہیں۔

اللّٰھم علّمه الحکمة وتاویل القرآن (۱۷۵)

اے اللہ! اسے حکمت اور قرآن فہمی عطا فرما۔

حضرت علیؓ کے دور خلافت میں جنگ جمل، صفین اور نہروان میں ان کے ہمراہ رہے۔ حضرت علیؓ کی طرف سے بصرہ کے عامل بھی رہے۔ عبید اللہ بن عباسؓ اپنے بھائی عبد اللہ بن عباسؓ سے ایک سال چھوٹے تھے۔ حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں انہیں یمن کا عامل مقرر فرمایا تھا۔ سالہائے ۳۶ اور ۳۷ ہجری/ ۶۵۷ء اور ۶۵۸ء میں امیر الحج بھی رہے۔ معبد بن عباس بھی عہد نبوی میں پیدا ہوئے اور حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں ۳۵ ہجری/ ۵۶-۶۵۵ء میں افریقہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ قثم بن عباسؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لحد مبارک میں اترے اور سب سے آخر میں وہاں سے نکلے حضرت علیؓ کے دور خلافت میں امیر مکہ تھے۔ کثیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے پیدا ہوئے عالم و فاضل تھے۔ تمام، حضرت عباسؓ کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے حضرت علیؓ کے دور خلافت میں حاکم مدینہ رہے تھے۔ عبدالرحمٰن عہد نبوی میں پیدا ہوئے اور اپنے بھائی معبد کے ساتھ افریقہ کے جہاد میں شہید ہوئے۔

(و) حمزہ بن عبد المطلب: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ چچا آپ ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ دونوں نے ابولہبؓ کی لونڈی ثویبہ کا دودھ پیا تھا۔ کنیت ابویعلیٰ تھی۔ ۶ نبوی/ ۶۱۴-۶۱۵ء میں اسلام لائے، نہایت حوصلہ مند اور بہادر تھے۔ غزوہ بدر اور احد میں نہایت پامردی سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ دشمنوں نے دیگر شہدا کے ساتھ ان کے جسد مبارک کا بھی مُثلہ کیا تھا جس کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عمر بھر شدید صدمہ رہا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سید الشہدا کا خطاب عطا فرمایا اور انہیں اسد اللہ و اسد رسولہٗ اللہ اور اس کے رسول کا شیر قرار دیا۔ ان کے دو بیٹے عمارہ اور یعلیٰ تھے۔ دو لڑکیاں ام فضل اور امامہ تھیں۔ امامہ کی حفاظت و پرورش کا فیصلہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضاء کے موقع پر حضرت جعفر طیارؓ کے حق میں فرمایا تھا کیونکہ ان کی اہلیہ امامہ کی خالہ تھیں۔

(ز) ضرار بن عبد المطلب: قریش کے نوجوانوں میں سے تھے حسن و جمال اور سخاوت میں مشہور تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ کی بعثت کے آغاز میں ہی انتقال کیا۔ اولاد نہ تھی۔

(ح) مقوم بن عبد المطلب: ان کی اولاد تھی مگر نسل جاری نہیں ہوئی۔ ان کی بیٹی ہند کے ایک لڑکے عبدالرحمن بن ابی عمرو کا ذکر امام ذہبیؒ نے کیا ہے۔

(ط) حجل بن عبد المطلب: ان کے ایک فرزند کا نام قسرہ تھا جو شاعر تھے۔

حضرت عبدالمطلب کی بیٹیاں/ رسول اکرم ﷺ کی پھوپھیاں:

(الف) ام حکیم بیضاء: یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی حقیقی بہن ہیں۔ ان کا نکاح کرز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس سے ہوا تھا۔ یہ حضرت عثمان غنیؓ کی نانی ہیں اور ان کی بیٹی اروی حضرت عثمان غنیؓ کی والدہ ہیں۔ ام حکیم بیضاء کے ایک بیٹے کا نام عامر تھا جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے ان کا بیٹا عبداللہ بن عامر بھی صحابی ہے۔

(ب) عاتکہ بنت عبد المطلب: انہوں نے غزوہ بدر سے پہلے مکہ میں خواب دیکھا تھا کہ ایک سوار ہے جس نے کوہ ابوقبیس سے ایک پتھر اٹھا کر کعبہ کی دیوار پر کھینچ مارا ہے اس کے ٹکڑے اور ریزے قریش کے ہر گھر میں گرے البتہ بنوزہرہ بچے رہے اس پر ابوجہل نے مذاق اڑایا تھا کہ اب تو بنو ہاشم کی عورتیں بھی نبوت کرنے لگیں۔ لیکن غزوہ بدر میں کفار مکہ کے حق میں نتیجہ خواب کے مطابق ہی ظاہر ہوا۔ عاتکہ کا معنی طاہرہ ہے۔

(ج) صفیہ بنت عبد المطلب: یہ حضرت حمزہؓ کی حقیقی بہن ہیں ان کے صاحبزادے حضرت زبیر بن العوام بن خویلد عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ حضرت زبیرؓ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ حضرت زبیرؓ کے بھائی حضرت سائبؓ بن العوام بھی صحابی ہیں۔ حضرت صفیہؓ نے غزوہ احد میں اپنے بھائی حضرت حمزہ سید الشہداءؓ کی مُثلہ شدہ لاش کو دیکھ کر بے مثال صبر وضبط کا مظاہرہ کیا۔ رونے دھونے کی بجائے دعا کر کے چلی آئیں۔ غزوہ خندق میں انہوں نے ایک یہودی کو قتل کیا تھا۔

(د) برہ بنت عبد المطلب: ان کا نکاح عبدالاسد بن ہلال مخزومی سے ہوا تھا۔ حضرت ابوسلمہؓ عبداللہؓ انہی کے فرزند ہیں جو ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے پہلے شوہر ہیں۔ حضرت ابوسلمہؓ قدیم الاسلام ہیں غزوہ احد میں زخمی ہوئے۔ اس زخم سے بعد میں انتقال فرمایا۔

(ہ) اروی بنت عبد المطلب: یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی حقیقی بہن ہیں۔ ابن سعد اور ابن قیم نے ان کے اسلام کی تصدیق کی ہے۔ ان کے فرزند حضرت طلیب

بن عمیر قدیم الاسلام ہیں جنہوں نے پہلے حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت فرمائی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب نے ۸۲ سال کی عمر میں رحلت فرمائی ان کی عمر کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ قاضی سلیمان منصور پوریؒ نے فرنچ پروفیسر سڈیو کے مطابق عمر ۸۲ سال لکھی ہے۔ ان کی وفات کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۸ سال تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سال ولادت ۵۶۹ء/۵۵ قبل ہجرت قمری ہے اس لئے حضرت عبدالمطلب کا سال وفات ۵۷۷/ ۴۷ قبل ہجرت اور سال ولادت ۴۹۵ عیسوی/۱۳۲ قبل ہجرت ہوا۔

۲۱۔ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب

حضرت عبداللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد ہیں اور حضرت عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ قریش میں سب سے زیادہ حسین وجمیل اور اخلاق حمیدہ کے مالک تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ اگر ان کے دس بیٹے ہوئے تو وہ اپنے ایک بیٹے کو کعبے کے نزدیک ذبح کریں گے۔ جب ان کے دس بیٹے پورے ہوئے تو اپنی نذر پوری کرنے کے لئے قرعہ اندازی کرائی ہر مرتبہ قرعہ حضرت عبداللہ کے نام کا نکلا۔ حضرت عبداللہ کے بھائی بہنوں اور پھر ان کے ننھیال کی مداخلت اور شدید مزاحمت پر فیصلہ یہ ہوا کہ حضرت عبداللہ کے نام کے ساتھ دس دس اونٹوں کا قرعہ ڈالا جائے جب قرعہ اونٹوں کا نکلے تو اتنے ہی اونٹ حضرت عبداللہ کی جگہ ذبح کئے جائیں۔ بار بار قرعہ اندازی کے بعد جب اونٹوں کی تعداد سو ہوئی تو قرعہ اونٹوں کا نکل آیا۔ حضرت عبدالمطلب نے یہ سو اونٹ ذبح کئے۔ حضرت عبدالمطلب کی اس نذر کے بارے میں جو روایات واقدی اور ابن سبرہ وغیرہ سے مروی طبقات ابن سعد میں موجود ہیں، وہ محدثین کے معیار پر پوری نہیں اترتیں اور نہایت ضعیف ہیں صرف حضرت ابن عباسؓ سے مروی مذکورہ روایت ہی باعتبار سند صحیح ہے۔ (۱۷۶)

حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کا نکاح حضرت آمنہ سے کیا جن کا تعلق بنو زہرہ سے ہے۔ حضرت آمنہ کا نسب یہ ہے۔ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر۔ حضرت آمنہ کے والد بنو زہرہ کے سردار تھے اور حضرت آمنہ بھی اپنی قوم میں ممتاز اور سردار تھیں۔ اس نکاح کے متعلق جو تفصیلات ابن سعد، ابن عساکر، طبرانی، حاکم اور ابو نعیم نے بیان کی ہیں ان میں سے کسی کی سند بھی صحیح نہیں۔ ان اسناد کا دارومدار ہشام کلبی، عبدالعزیز بن عمران اور واقدی پر ہے

اور یہ تینوں محدثین کے نزدیک غیر معتبر ہیں۔ جہاں تک حضرت عبداللہ کے حضرت آمنہ سے نکاح کا تعلق ہے تو یہ طبقاتی تواتر سے ثابت ہے کسی سند کا محتاج نہیں ہے۔(۱۷۷)

حضرت عبداللہ کے نکاح کے معاملے میں ایک عورت کی کہانی بھی بیان کی جاتی ہے کہ اس نے حضرت عبداللہ کو اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش کی تھی۔ نکاح کے بعد جب حضرت عبداللہ اپنی اہلیہ حضرت آمنہ کے پاس گئے تو بعد میں اس خاتون سے ملاقات ہوئی لیکن اب اس نے بے رخی اختیار کی کیونکہ بقول اس عورت کے حضرت عبداللہ کی پیشانی سے نور نبوت حضرت آمنہ کی طرف منتقل ہو چکا تھا۔ کہیں اس عورت کو بدکار اور کہیں کاہنہ اور کہیں سو اونٹ کا معاوضہ پیش کرنے والی اور کہیں اسے حضرت عبداللہ کی دوسری بیوی ظاہر کیا گیا ہے۔ پھر کبھی تو اس عورت کو خشعم قبیلے کی اور کبھی بنو اسد کی اور کبھی بنو عدی سے بتایا گیا ہے اور بعض روایات کے مطابق یہ یہودی عورت تھی جو تورات وانجیل جانتی تھی۔ یہ روایت متن اور سند دونوں اعتبار سے منکر ہے۔ ایسی جھوٹی روایات سے کتب سیرت کو پاک وصاف ہونا چاہئے۔(۱۷۸)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والد ماجد کو نہیں دیکھا کیونکہ حضرت عبداللہ ایک تجارتی مہم پر تشریف لے گئے تھے واپسی پر مدینے میں اپنے ننھیال بنو عدی بن نجار کے ہاں قیام کے دوران بیمار ہوئے اور وہیں فوت ہو کر مدفون ہوئے۔ حضرت عبداللہ کی وفات کے متعلق کوئی صحیح السند روایت موجود نہیں بلکہ تمام متعلقہ روایات نہایت ضعیف ہیں یا مُرسل ہیں۔ ان روایات میں زُہری کی مُرسل روایت کو ہی دیگر روایات کے مقابلے میں معتبر قرار دیا جاسکتا ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ یثرب (مدینہ) میں حضرت عبدالمطلب کے لئے کھجور لینے گئے تھے کہ وہیں فوت ہو گئے۔(۱۷۹) حضرت قیسؓ بن مخرمہ صحابی کی روایت کے مطابق جب حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی شکم مادر میں تھے زہری کی روایت کا مضمون بھی یہی ہے (۱۸۰/۱)۔ آپ ﷺ کے یتیم پیدا ہونے کے متعلق صحیح مسلم میں بھی روایت موجود ہے اور صحیح روایت کی موجودگی میں اس طرح کے تمام اقوال ناقابل التفات ہیں کہ حضرت عبداللہ کی وفات کے وقت آپ ﷺ کی عمر سات یا اٹھارہ ماہ وغیرہ تھی۔ حضرت عبداللہ کی انتقال کے وقت عمر ۱۸ یا ۲۵ سال تھی اور مشہور قول کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت حضرت عبداللہ کے انتقال کے چھ ماہ بعد ہوئی تھی۔ آپ ﷺ کی ولادت کی عیسوی تاریخ ۴ نومبر ۵۶۹ عیسوی بہ مطابق ۸ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی بہ مطابق ۸ رمضان المبارک ۵۵ قبل ہجرت قمری ہے۔ اگر حضرت عبداللہ کی عمر ۱۸ سال ہو تو ولادت ۵۵۱ عیسوی/۷۴ قبل ہجرت قمری اور

وفات مئی ۵۶۹ عیسوی/ ربیع الاول ۵۵ قبل ہجرت قمری میں ہوئی۔ بہر حال ابن سعد کا بیان یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام میں غزہ کے مقام تک گئے واپسی پر یثرب (مدینہ) میں اپنے ننھیال کے ہاں قیام کے دوران بیمار پڑ گئے۔ قافلے کے دیگر لوگ مکہ مکرمہ واپس لوٹے تو ان سے حضرت عبدالمطلب کو حضرت عبداللہ کے بیمار ہونے کا علم ہوا۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو ان کی خبر گیری کے لئے یثرب بھیجا۔ ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی حضرت عبداللہ فوت اور مدفون ہو چکے تھے۔ حضرت عبدالمطلب کو اور اسی طرح حضرت عبداللہ کے بھائیوں اور بہنوں کو اس ندوہناک خبر پر شدید صدمہ ہوا۔ حضرت عبداللہ کوئی ایک ماہ بیمار رہے تھے۔ (۱۸۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یتیم ہونے کی شہادت قرآن کریم سے بھی ملتی ہے

اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی (۱۸۲)

کیا اس (اللہ) نے تجھے یتیم نہیں پایا پھر اس نے (تجھے) ٹھکانا دیا:

نسب نامہ نبوی کا دوسرا حصہ از اود تا حضرت ابراہیم علیہ السلام

نمبر شمار	اسما	نمبر شمار	اسماء
۱	اود	۲	ہمیسع
۳	سلاماں	۴	عوص
۵	بوز	۶	قموال
۷	ابی	۸	عوام
۹	ناشد	۱۰	حزا
۱۱	بلداس	۱۲	یدلاف
۱۳	طابخ	۱۴	جاحم
۱۵	ماخی	۱۶	عیفی
۱۷	عبقر	۱۸	عبید
۱۹	الدعا	۲۰	حمدان
۲۱	سنبر	۲۲	یثربی

۲۳	یحزن	۲۴	یلحن
۲۵	ارعویٰ	۲۶	عیضی
۲۷	ذیشان	۲۸	عیصر
۲۹	اقناد	۳۰	ابھام
۳۱	مقصی	۳۲	ناحت
۳۳	زارح	۳۴	سُمَی
۳۵	مزّی	۳۶	عوض
۳۷	عرّام	۳۸	قِیدار
۳۹	اسماعیلؑ	۴۰	ابراہیمؑ

مشاہیر کے حالات

۱۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام: آپ تقریباً ۲۰۰۰ قبل مسیح ر۲۷۰۳ قبل ہجرت میں بابل (عراق) کے قدیم شہر اُر میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اور آپ کی قوم کا نسلی تعلق سام بن نوحؑ سے ہے۔ دورِ قدیم کے سامی قبائل عراق، شام اور مصر کے علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ بابل کے لوگ کواکب پرست تھے۔ اسی مشرکانہ ماحول میں حضرت ابراہیمؑ اس وقت کے حکمران نمرود کے ایک معتمد عہدہ دار آزر کے گھر پیدا ہوئے۔ موجودہ تورات میں آپ کے والد کا نام تارح دیا گیا ہے۔ ممکن ہے ان میں سے ایک اصل نام ہو اور دوسرا لقب ہو۔ بہرحال قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کے باپ کو آزر کہا گیا ہے اور یہی حق ہے جو لوگ آزر کو آپ کا چچا قرار دیتے ہیں وہ قرآن کریم کی معنوی تحریف کے مرتکب ہیں۔ قرآن کریم میں چچا کے لئے عمّ اور پھوپھی کے لئے عمّہ کا لفظ موجود ہے (۱۸۳) ابراہیمؑ کے اب کا حقیقی معنی باپ ہی لیا جائے گا۔ حضرت ابراہیمؑ کی قوم سورج، چاند اور دیگر سیاروں وستاروں اور ان کے مجسموں کو معبود قرار دیتی تھی۔ یہ لوگ اپنے بادشاہ کو خدائی اختیارات کا حامل ٹھہراتے ہوئے شاہ پرستی میں بھی مبتلا تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ارض وسما اور شمس کواکب کے محکم فطری نظام پر غور کر کے اللہ تعالیٰ کی توحید ذات و صفات پر مضبوط دلائل قائم کئے۔ اپنے باپ اور اپنی قوم کو شرک وکفر کی دلدل سے نکالنے کے لئے بار بار انہیں دعوت توحید دی لیکن سب نے تمرد وسرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کے پاکیزہ اور سچے پیغام کو

ٹھکرایا۔ حضرت ابراہیمؑ نے بحث ومباحثہ کے اصولِ تسلیم اور ارخاءِ عنان (لگام ڈھیلی چھوڑنے) کے تحت ستارے، چاند اور سورج کی (مفروضہ) الوہیت وربوبیت کو عارضی طور پر قبول کرلیا اور پھر بالترتیب ان کے طلوع اور غروب ہونے پر قوم کے سامنے دلیل پیش کی کہ یہ سب ربّ العالمین خالقِ ارض وسما کی مخلوق ہیں اور اس کے تکوینی حکم کے تابع ہیں لہٰذا میں تمہارے شرک سے قطعی بیزار ہوں۔ میں نے اپنا رُخ اس اللہ کی طرف کردیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے میں حنیف یعنی تمام غلط راستوں کو چھوڑ کر سیدھی راہ اپنانے والا ہوں اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں (۱۸۴) حضرت ابراہیمؑ نے قوم کے ایک تہوار میں شریک ہونے سے یوں معذوری ظاہر فرمائی کہ ستاروں پر نظر ڈالتے ہوئے فرمایا کہ میری طبیعت ناساز ہے۔ یہاں بھی آپ یہ بتانا چاہتے تھے کہ اگر تمہارے بُت نفع ونقصان کے مالک ہیں اور اگر ستاروں کے تمہارے مفروضہ اثرات واقعی درست ہیں تو میں فی الحال تم سے اتفاق کرتا ہوں۔ جب لوگ اپنے میلے میں چلے گئے تو آپ نے ان معبودانِ باطلہ کو سوائے بڑے بُت کے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ قوم نے واپسی پر اپنے ان خداؤں اور معبودوں کا یہ حشر دیکھا تو حضرت ابراہیمؑ ہی کو ملزم گردانا۔ آپ نے انہیں جواب دیا کہ یہ سب کچھ تمہارے بڑے بت کا کیا ہوا ہے تم اسی سے پوچھ دیکھو اس پر وہ لاجواب اور دل میں شرمندہ ہوئے اور یقین کرلیا کہ وہ خود ہی ظالم ہیں لیکن ڈھٹائی اور بے حیائی سے کام لیتے ہوئے گویا ہوئے، اے ابراہیم! تجھے معلوم تو ہے کہ یہ بُت بولتے نہیں۔ یہی کچھ حضرت ابراہیمؑ اپنے طرزِ استدلال سے ان سے کہلوانا اور منوانا چاہتے تھے۔ آپ نے ان کی اس سفاہت وحماقت پر سخت افسوس ظاہر کیا کہ جب وہ اعتراف کرچکے ہیں کہ یہ بُت دوسروں کو تو کیا فائدہ پہنچائیں گے یہ تو خود اپنی نصرت وحفاظت سے قاصر ہیں تو انہیں معبود ٹھہرانا کیسے درست ہوا؟۔

ان کا جواب بس یہی تھا کہ اپنے معبودوں کی مدد کے لئے (حضرت) ابراہیمؑ کو آگ میں زندہ جلاڈالو۔ لیکن آگ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ابراہیم پر ٹھنڈی اور موجب سلامتی بن جا۔ یوں وہ اپنی تدبیر میں بری طرح ناکام ونامراد ہوئے (۱۸۵)۔ اس وقت کے حکمران (نمرود) نے بھی حضرت ابراہیمؑ سے بحث ومباحثہ کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اس پر وہ بولا کہ یہ کام تو میں بھی کرتا ہوں میں زندہ بھی کرتا ہوں اور مارتا بھی ہوں (اس نے دھوکہ دینے کے لئے سزائے موت پانے والے دو قیدیوں میں سے ایک کو چھوڑ دیا اور دوسرے کو قتل کرادیا) حضرت ابراہیمؑ نے (موت وحیات کے فلسفے میں لوگوں کو الجھنے یا الجھانے سے بچاتے ہوئے) فوراً فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا دے۔ اس جواب پر وہ مبہوت اور پریشان ہوکر لاجواب ہوگیا (۱۸۶) نمرود حضرت ابراہیمؑ سے یہ مطالبہ نہ کر سکا کہ چلئے تمہارا رب ہی یہ کام کر کے دکھا دے وجہ یہ تھی کہ وہ دل سے یقین کر چکا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ سچے ہیں اور یہ کہ وہ غیر معمولی شخصیت ہیں ورنہ بظاہر رعایا کا ایک عام فرد ہوتے ہوئے جابر و متکبر حکمران کے سامنے اس قدر دلیری، بےخوفی، اطمینان اور زبردست اعتماد اور قوت ارادی کا ہرگز مظاہرہ نہ کرتے۔ اسے خیال گزرا ہوگا کہ اگر حضرت ابراہیمؑ کی خواہش ان کے معبود حقیقی اللہ تعالیٰ نے پوری کردی تو صورت حال یکسر بدل کر اس کے خلاف ہو جائے گی۔ نمرود ایسا مطالبہ کرنے میں اس لئے بھی حق بجانب نہیں تھا کہ نمرود کے برعکس حضرت ابراہیمؑ اپنے لئے ہرگز خدائی اختیارات کے مدعی نہیں تھے۔ ضروری نہیں کہ نمرود اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہو۔ ممکن ہے وہ اپنی ملوکیت و بادشاہت سے اپنے مختار کُل اور مطلق العنان ہونے کا جواز نکالتا ہو اور لوگ اسے خدا کا زمینی نمائندہ قرار دے کر معبود بنائے ہوئے ہوں، جیسا کہ سورہ بقرہ کے متعلقہ حصے کی ابتدائی آیت میں کلمات ان اتاہ اللّٰہ الملک، (کہ اللہ نے اسے حکومت دے رکھی تھی) جس کی بنا پر اس نے حضرت ابراہیمؑ سے جھگڑا کیا، سے واضح ہو رہا ہے۔ یہ خرابی تو دور حاضر کے اکثر حکمرانوں میں بھی ایک حد تک پائی جاتی ہے کہ وہ حکومت اور اقتدار کے نشے میں اپنے حاکم اعلیٰ ہونے کی بنیاد پر اپنے تمام برے کاموں پر اپنے آپ کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے قطعاً نہیں شرماتے اور نہ ہی اپنے جیسے ماضی کے حکمرانوں کے عبرت ناک انجام سے کوئی سبق حاصل کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی سرتوڑ کوشش کے باوجود ان کا باپ آزر اور خاندان کے دوسرے لوگ بت پرستی، کواکب پرستی اور ملوک پرستی چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ مردوں میں سے صرف حضرت لوطؑ (آپ کے بھتیجے) آپ پر ایمان لائے (۱۸۶/۲) باپ نے جب آپ کو سنگسار تک کر دینے کی دھمکی دے ڈالی تو آپ نے وہاں سے ہجرت کا پختہ ارادہ کر لیا اور نہایت تحمل و بردباری سے کام لیتے ہوئے جاتے وقت باپ سے یہ کہا کہ میں تیرے لئے اپنے رب سے استغفار کرتا رہوں گا۔ بیشک میرا رب مجھ پر مہربان ہے۔ آپ حسب وعدہ عمر بھر باپ کے لئے استغفار فرماتے رہے لیکن جب باپ حالت کفر میں ہی مر گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے باپ کے لئے آئندہ استغفار سے منع کر دیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں فوراً اپنے باپ سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔ (۱۸۷)

یہ حضرت ابراہیمؑ کے لئے بڑی آزمائش تھی کہ جس باپ کے گھر سے صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر

ہجرت کرنی پڑی تھی اور جس باپ کے لئے عمر بھر استغفار کیا تھا تو بھی اس کی موت کفر پر ہی ہوئی اور جب حضرت ابراہیمؑ کو اپنے باپ کے لئے استغفار سے منع کر دیا گیا تو معمولی سا معمولی بھی حرف شکایت زبان پر لائے بغیر فوراً حکم کی تعمیل کی اور اللہ کی رضا کے لئے باپ سے بیزاری کا اعلان فرمادیا۔لیکن آزمائش کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا بلکہ آئندہ بھی جاری رہا۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اہلیہ حضرت سارہؓ جو آپ کے خاندان ہی سے تھیں اور اپنے بھتیجے حضرت لوطؑ کے ہمراہ وطن چھوڑا اور کنعان (فلسطین) میں آباد ہو گئے۔ وہاں سے اپنی اہلیہ محترمہ سارہؓ کے ہمراہ مصر بھی گئے۔فرعون مصر نے حضرت سارہؓ کو حسین سمجھ کر اپنے لئے لے لیا لیکن اپنے ہر برے ارادے پر ایک سخت مرض میں مبتلا ہو کر زمین پر ایڑیاں رگڑنے لگتا۔اس نے مرعوب و معتقد ہو کر نہ صرف حضرت سارہؓ حضرت ابراہیمؑ کو لوٹادی بلکہ اپنی لخت جگر شہزادی ہاجرہؓ بھی خدمت کے لئے حضرت سارہؓ کے ہمراہ کر دی اور یہ کہا کہ میری بیٹی کا اس گھرانے میں خادمہ بن کر رہنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ کسی اور گھرانے میں ملکہ بن کر رہے۔ یوں شہزادی ہاجرہؓ مصر سے کنعان (فلسطین) آئیں تو ''ھاغار'' بمعنی اجنبی کہلائیں۔عربی میں اسی کو ہاجرہ کہا جاتا ہے۔ جب حضرت ابراہیمؑ کی حضرت سارہؓ سے کوئی اولاد نہ ہوئی تو حضرت سارہؓ نے اپنی خادمہ حضرت ہاجرہؓ حضرت ابراہیمؑ کو دے دی۔

بہ مطابق تورات حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۸۶ برس تھی جب حضرت ہاجرہ سے آپ کے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور شیر خوار بیٹے کو اپنے وطن سے دور جزیرۃ العرب میں اس وقت کی غیر آباد وادی مکہ مکرمہ میں آباد کیا جہاں بیت اللہ (کعبہ) ہے۔حضرت ابراہیمؑ کے لئے یہ نئی زبردست آزمائش تھی کہ بڑھاپے میں جو بیٹا عمر بھر کی دعاؤں اور پر امید تمناؤں کے بعد عطا ہوا تھا ایسے پہلوٹھے،اکلوتے اور محبوب بیٹے کو اور اس کی والدہ حضرت ہاجرہؓ کو اپنی آنکھوں سے اوجھل دور دراز کے غیر آباد اور سنسان علاقے میں چھوڑ آئیں جہاں نہ کوئی کھیتی تھی نہ پینے کا پانی دستیاب تھا اور نہ ہی کوئی آبادی تھی۔سیدہ ہاجرہؓ کے لئے بھی آزمائش کچھ کم نہ تھی۔ یہ ان کے صبر واستقلال اور شجاعت و دلیری کا نہایت سخت امتحان تھا۔ بعد کے سلسلۂ واقعات میں جب اس غیر آباد وادی میں زمزم کا کنواں معجزانہ طریقے سے ظاہر ہوا تو حضرت ہاجرہ کی اجازت سے یمن سے آنے والے ایک قبیلے بنو جرہم نے وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی اور یہ جگہ بتدریج شہر بن گئی جو پہلے بکہ پھر مکہ کہلایا۔ حضرت ابراہیمؑ اپنی اہلیہ اور بچے کی خیریت معلوم کرنے کے لئے یہاں تشریف فرما ہوا کرتے تھے۔ایسے

ہی ایک موقع پر جب حضرت اسماعیلؑ اپنے والد ماجد کے ہمراہ دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچ چکے تھے تو حضرت ابراہیمؑ کو ایک اور سخت آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کو اپنے اس پہلوٹھے، اکلوتے اور محبوب ترین بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم وحی منامی (خواب کے ذریعے وحی) میں ملا۔

دونوں باپ بیٹا اس مشکل حکم کی تعمیل پر بخوشی تیار ہو گئے۔ پیشانی کے بل لٹا کر حضرت اسماعیلؑ کو جب حضرت ابراہیمؑ نے ذبح کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم! تو نے خواب سچا کر دکھایا اور حضرت اسماعیلؑ کی بجائے ایک دنبہ ذبح کرنے کے لئے دیا گیا۔ یہ یوم الاضحیٰ ۱۰ ذوالحجہ کی تاریخ تھی۔ اس وقت تک حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاقؑ کی حضرت سارہؓ سے نہ صرف یہ کہ ولادت نہیں ہوئی تھی بلکہ آپ کو ان کی ولادت کی تاحال بشارت بھی نہیں ملی تھی اس لئے حضرت اسماعیلؑ کے ذبیح اللہ ہونے کو اللہ تعالیٰ نے البلاء المبین یعنی بہت بڑی اور کھلی آزمائش قرار دیا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ اور ان کی پہلی زوجہ محترمہ حضرت سارہؓ کو حضرت اسحاق اور حضرت اسحاق کے بعد حضرت اسحاق کے بیٹے یعقوبؑ کے پیدا ہونے کی بشارت ملی (۱۸۸)۔ بعد میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ دونوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیت اللہ یعنی کعبہ کی عمارت تعمیر کی۔ کعبے کو صاف ستھرا رکھنے اور اس کی حفاظت و نگرانی کی ذمہ داری دونوں کو عموماً اور حضرت اسماعیلؑ کو خصوصاً سونپی گئی کیونکہ حضرت اسماعیلؑ کی مکے میں سکونت مستقل تھی۔ اس گھر کی دیکھ بھال کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے لیا تھا وہ انہوں نے بطریق احسن پورا کیا اس سلسلے میں حضرت اسماعیلؑ کو اللہ تعالیٰ نے بالخصوص صادق الوعد (سچے وعدہ والا) قرار دیا ہے۔

انہ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَکَانَ رَسُوْلاً نبیا (۱۸۹)

اللہ تعالیٰ نے اپنے ان دونوں پیغمبروں کو حج اور عمرے کے آداب اور طریقے (مناسک حج) سکھائے جو بنو اسماعیل اور پھر امت محمدیہ ﷺ میں ہزاروں برس سے متوارث چلے آرہے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے خلیل اللہ کا لقب عنایت فرمایا۔ ان کے دشمنوں کی نسل ناپید یا گم نام ہو گئی، البتہ حضرت ابراہیمؑ کے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ اور دوسرے صاحبزادے حضرت اسحاقؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ (اسرائیل) سے بنو اسماعیل اور بنو اسرائیل کے دو عظیم الشان خاندان چلے جو آگے مزید قبائل در قبائل تقسیم ہوتے چلے گئے۔ حضرت ابراہیمؑ کی تیسری اہلیہ قطورہ سے بنو قطورہ کی نسل چلی یوں سامی اقوام میں اللہ تعالیٰ نے نبوت صرف بنو اسرائیل اور بنو اسماعیل ہی میں مختص فرما دی۔ اسی لئے حضرت ابراہیمؑ کو

ابوالانبیاء کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو عقیدہ توحید اور دین حق کی نشر واشاعت کے لئے مختلف علاقوں میں بسایا۔ حضرت اسحاقؑ کو فلسطین وشام، حضرت اسماعیلؑ کو جزیرۃ العرب کے علاقے فاران اور بنوقطورہ کو ارض عرب کے مدین اور روذان میں اور اپنے بھتیجے حضرت لوطؑ کو شرق اردن میں آباد کیا۔ بنواسرائیل میں بے شمار پیغمبر ہوئے۔ مشہور صاحب شریعت نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام بنواسرائیل ہی سے ہیں جنہیں تورات دی گئی۔ موسوی شریعت کی بقا اور تجدید کے لئے بنواسرائیل میں ہزاروں کی تعداد میں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ سب سے آخر میں ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسول ہوئے۔ اس کے بعد سلسلہ نبوت بنواسماعیل میں منتقل ہوا اور سید الانبیاء خاتم النبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم چھٹی صدی عیسوی میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کی امت کو امت مسلمہ کا اصطلاحی لقب ملا۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت بنواسماعیل میں ایک رسول کے مبعوث ہونے کی دعا کی تھی اور ان کی امت کو امت مسلمہ کا نام دیا تھا، اسی لئے قرآن کریم میں ہے۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمُ اِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا (۱۹۰)

تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر ہو اس نے تمہارا نام مسلم رکھا پہلے بھی (تمہارا یہی نام تھا) اور اس (زمانے) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے)۔

ملت وامت

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت، امت مسلمہ ملت ابراہیمی پر ہے۔ قوم، ملت اور امت کے الفاظ کو مترادف یعنی ہم معنی سمجھا جاتا ہے لیکن اگر فرق کو ملحوظ رکھنا ہو تو ان میں باریک فرق بھی ہے۔ امّت میں اجتماعیت کی بنیاد کسی صاحب شریعت نبی یعنی رسول کے حوالے سے ہوتی ہے۔ رسول کے مخاطب جو لوگ بھی ہوں وہ اس کی امّتِ دعوت کہلاتے ہیں اور ان میں سے جو لوگ رسول کے پیغام کو قبول کرتے ہوئے ایمان لائیں انہیں اس رسول کی امت اجابت یا امت استجابت کہا جاتا ہے۔ جب صرف امت کا لفظ استعمال ہو تو اس سے عموماً امت اجابت ہی مراد ہوتی ہے۔ ملت کے لغوی معنی طریقے اور مسلک کے ہیں۔ سب انبیاء علیہم السلام کی اصولی تعلیم یعنی بنیادی عقائد ایک ہی ہیں ان میں کوئی فرق نہیں، لہٰذا سب انبیاء علیہم السلام کی ملت بھی ایک ہی ہے۔ وہ سب کے سب سچے دین اسلام کے داعی تھے اور لغوی معنی کے اعتبار سے وہ اور ان پر سچے دل سے ایمان لانے والے سب

کے سب مُسلم تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ اُمم سابقہ اُمت مسلمہ کے لقب سے مشہور نہیں ہوئیں۔ امت محمدیہ ﷺ بھی اسلام کے لغوی معنی کے اعتبار سے امم سابقہ کی طرح تو امت مسلمہ ہی ہے لیکن اسے اصطلاحاً بھی امت مسلمہ کا نام دیا گیا۔ البتہ امت محمدیہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ ملّت کے لحاظ سے اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کیا کریں کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ کے بعد پیغمبروں میں سب سے اونچا مقام حضرت ابراہیمؑ کا ہے (۱۹۱/۱)۔

اس لئے ان دونوں پیغمبروں کا باہم تعلق نہایت قریبی ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت کے بہت سے احکام شریعت محمدیہ ﷺ میں بھی بحال رکھے گئے مثلاً جمعہ کا مقدس ہونا، خانہ کعبہ کا نماز کے لئے قبلہ ہونا، مناسک حج وعمرہ، دس ذی الحجہ کی قربانی اور عیدالاضحیٰ، قمری سال کے چار مہینوں میں قتل اور فتنہ وفساد کی خصوصی ممانعت کی وجہ سے ان کا اشہر حُرم یعنی حرمت والے مہینے ہونا وغیرہ دونوں پیغمبروں کی شریعت میں مشترک ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت حضرت ابراہیمؑ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کی اس دعا کا ثمر ہے جو انہوں نے خانہ کعبہ تعمیر کرتے وقت کی تھی۔ خود مکہ مکرمہ کا شہر بھی حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے قائم اور آباد ہوا اور حضرت ابراہیمؑ نے ہی رسول اکرم صلی اللہ کی امت کا اصطلاحی نام امت مسلمہ رکھا۔ حضرت ابراہیمؑ کا احترام یہود ونصاریٰ، مشرکین مکہ اور دیگر عرب قبائل سب کرتے تھے اور وہ یہ جھوٹا دعویٰ بھی کرتے تھے کہ وہ ملت ابراہیمؑ پر ہیں حالانکہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے اور عیسائی عقیدہ تثلیث جیسے مشرکانہ عقائد اختیار کر کے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے اور مشرکین عرب توحید کو چھوڑ کر بت پرستی کر کے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے تھے لہٰذا ان کا ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ سراسر غلط تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت مسلمہ کا ہی ملت ابراہیم پر ہونا حق قرار دیا۔ نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عدنانی عرب قبائل حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے ہیں۔ چونکہ قرآن کریم کے اولین مخاطب عرب تھے لہٰذا مسلمانوں کو کہا گیا کہ تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان عرب مسلمانوں کے نہ صرف روحانی بلکہ بلحاظ نسب بھی باپ ہیں۔ ان تمام امور کی بنیاد پر امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو یہ بتایا گیا ہے کہ اس کی نسبت بلحاظ امت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور بلحاظ ملّت حضرت ابراہیمؑ کی طرف ہے۔

قوم کے لفظ میں اجتماعیت کی بنیاد عموماً علاقے، نسب، پیشہ وغیرہ اور بعض اوقات دین ومذہب پر

ہوتی ہے مثلاً ہمارے برصغیر پاک و ہند میں مغل، جاٹ، ارائیں، راجپوت وغیرہ نسب کے لحاظ سے الگ الگ قوم ہیں۔ پاکستانی، بھارتی، چینی، جاپانی وغیرہ علاقے، وطن اور ملک کے لحاظ سے الگ الگ قوم ہیں۔ پنجابی، سندھی، بلوچی وغیرہ زبان کی بنا پر الگ الگ قوم ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:۔

وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ (۲/۱۹۱)

اور مومن قوم کے دلوں کو شفا دے۔

اچھے یا برے اخلاق کی وجہ سے بھی لوگ ہم قوم ہوتے ہیں مثلاً شرفا کی قوم، چوروں کی قوم، فاسقوں کی قوم وغیرہ۔ اسی طرح لوہار، تیلی، موچی وغیرہ پیشوں کے لحاظ سے الگ الگ قوم ہیں۔ اردو میں قوم کا ترجمہ ''لوگ'' کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنے مخاطبین کو یٰـقـوم ''اے میری قوم'' کہہ کر مخاطب کیا حالانکہ وہ سب ان انبیاء علیہم السلام پر ایمان نہ لائے تھے بلکہ کچھ ایمان لائے تھے اور باقی منکر تھے۔ انبیاء علیہم السلام نے انہیں اپنا ہم قوم اس لئے قرار دیا کہ وہ ان کے ہم وطن، ہم زبان، اور اکثر و بیشتر ہم نسب تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیام پاکستان کے سلسلے میں ''دو قومی نظریئے'' کی جو اصطلاح مشہور ہوئی اسے دو ملّی نظریہ کہنا زیادہ مناسب تھا اور ہے۔

۲۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ بڑے صاحبزادے اپنے والد ماجد کے بعد بیت اللہ (خانہ کعبہ) کے واحد متولی اور سرپرست تھے۔ وہ اپنے والد کے بعد جزیرۃ العرب میں آباد بنو جرہم اور اپنی اولاد، عمالقہ اور جنوبی عرب (یمن) کے لوگوں کے لئے رسول اور نبی ہوئے۔ یعنی وہ بنو اسماعیل کے پہلے رسول اور خاتم النبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے رسول ہوئے۔ البتہ خاتم النبین کی رسالت صرف بنو اسماعیل کے لئے ہی نہیں بلکہ عالمگیر ہے حضرت اسماعیلؑ کی پہلی شادی عمارہ بنت سعد عمالیقی سے ہوئی لیکن حضرت ابراہیمؑ کے مشورے پر اسے طلاق دے کر دوسری شادی بنو جرہم قبیلے کی خاتون سیّدہ بنت مضاض بن عمرو سے کی (۱۹۲) تورات کے مطابق آپ کی بیوی مصری خاتون تھی اگر یہ صحیح ہے تو غالباً اس سے اولاد نہیں ہوئی۔ اولاد جرہمی خاتون سے ہوئی۔

حضرت اسحاقؑ کے صاحبزادے حضرت یعقوبؑ (اسرائیل) کی طرح حضرت اسماعیلؑ کے بھی بہ مطابق تورات بارہ بیٹے ہوئے۔ ایک بیٹی نسمہ نام کی تھی جس کا نکاح حضرت اسماعیلؑ نے اپنے بھتیجے

حضرت یعقوب کے بھائی عیسو سے کیا تھا۔ اس سے روم اور بقول بعض یونان پیدا ہوئے (۱۹۱/۳)۔
حضرت اسماعیلؑ کے دو بیٹوں نابت اور قیدار کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ عرب کے متعدد قبائل کا انہی کی نسل سے تعلق ہے۔ متقدمین میں سے بعض نسابین اور مورخین مثلاً ابن اسحاق اور محدثین میں امام بخاریؒ کا یہ خیال ہے کہ عرب قبائل سب کے سب بنو اسماعیل سے ہیں۔ (۱۹۳)

اور دور حاضر کے بعض مستشرقین کی رائے بھی یہی ہے کہ مدینے کے اوس وخزرج، بصریٰ کے غسانی اور ملوک حیرہ وغیرہ نابت بن اسماعیلؑ کی نسل سے ہیں۔ نابت کو نبیت نبط اور نیابوط بھی کہا جاتا ہے قریش مکہ اور دیگر ملحقہ عرب قبائل قیدار بن اسماعیلؑ کی اولاد سے ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ کے باقی دس بیٹوں کی نسلوں کا ماہرین انساب کو پتہ نہیں چلا عین ممکن ہے کہ ان کی نسلوں کو غلطی سے قحطانی عربوں میں شمار کرلیا گیا ہو۔ عدنانی اور قحطانی قبائل اپنے وطن کو چھوڑ کر ایک دوسرے کے علاقوں میں آباد ہوتے رہے اور باہم رشتوں کے ذریعہ آپس میں گھل مل گئے اس لئے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ جملہ قبائل عرب خواہ وہ قحطانی ہوں یا عدنانی، اگر پدری رشتے سے نہیں تو مادری رشتے سے سب کے سب حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے ہیں۔ گذشتہ مباحث میں واضح کیا جاچکا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ ہی ہیں۔ بہ مطابق تورات انتقال کے وقت آپ کی عمر ۱۳۷ سال تھی۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی شریعت دین حنفی پر ان کی اولاد عرصہ دراز تک عمل پیرا رہی، بعد میں جب مکے پر بنوخزاعہ کا قبضہ ہوا تو تقریباً ۲۵۰ عیسوی/ ۳۸۴ قبل ہجرت میں عمرو بن لحی خزاعی کے ذریعہ بت پرستی کا آغاز بڑے پیمانے پر ہوا اور بنو اسماعیل بھی اس میں مبتلا ہوگئے۔ غالب گمان یہ ہے کہ عمرو بن لحی سے پہلے بھی اردگرد کے قبائل میں بت پرستی موجود تھی لیکن میں اسے زیادہ عروج عمرو بن لحی کے ذریعے ہوا، کیونکہ عام حالات میں یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص یکا یک سب کو ان کے آبائی مذہب سے برگشتہ کردے۔ عمرو بن لحی کے ذریعے بت پرستی کے عام رواج اور اس کے فروغ کی تائید صحیحین سے بھی ہوتی ہے۔ (۱۹۴)

تاہم مناسک حج وعمرہ اشہر حرم کا احترام اور دیگر کئی شرعی رسوم اپنی اصل یا محرف صورت میں بعثت نبوی کے دور تک بھی چلی آرہی تھیں۔

۳۔ قیدار بن اسماعیل علیہ السلام

حضرت اسماعیلؑ کے یہ صاحبزادے اپنے بھائی نابت یا نیابوط سے عمر میں چھوٹے تھے۔ البتہ قدرو

منزلت اور شہرت وعظمت کے لحاظ سے اس سے بڑے تھے۔ قیدار کے لئے یہی شرف بہت بڑا ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں ہیں۔ ان کی نسل حجاز، تہامہ اور نجد کے علاقے میں خصوصاً اور عراق و شام کے ملحقہ علاقوں میں عموماً پھلی پھولی۔ عربوں کے جن قبائل کو عرب مستعربہ کہا جاتا ہے وہ عدنان کی نسل سے ہیں اور عدنان قیدار ہی کی اولاد سے ہیں۔

نسب نبوی ﷺ کا تیسرا حصہ از تارح (آزبا) تا حضرت آدم علیہ السلام

نمبر شمار	اسما	نمبر شمار	اسما
۱	آزر (تارح)	۲	نحور
۳	سروج	۴	رعو
۵	فلج	۶	عبر (عابر)
۷	سلح	۸	ارفکسد
۹	سم (سام)	۱۰	نوح
۱۱	لمک	۱۲	متوسلح
۱۳	حنوک (ادریس)	۱۴	یارد
۱۵	محلل ایل	۱۶	قینان
۱۷	انوس	۱۸	سیت (شیث)
۱۹	آدم علیہ السلام		

نسب نامے کا یہ تیسرا حصہ تورات کی کتاب پیدائش کے مطابق ہے، لہٰذا اس کے متعلق مسلمانوں اور اہل کتاب میں اختلاف نہیں ہے گو اس کی صحت یقینی نہیں بلکہ ظنی ہے۔

تقابلی توقیتی جدول

اس توقیتی جدول میں قبل مسیح سالوں کی قبل ہجرت تقویم میں تحویل کے لئے یہ کلیہ استعمال کیا گیا ہے (رواں قبل مسیح عیسوی سال تقسیم ۰۲۰۷۴ء۹۷۔ ۶۲۲،۶۴۱ء)، مثلاً ۲۵۰۰ ق م کو قبل ہجرت قمری تقویم میں یوں لایا جائے گا (۲۵۰۰ تقسیم ۰۲۰۷۴ء۹۷۔ ۶۲۲،۶۴۱ء) = ۳۲۱۸،۴ء = ۳۲۱۸ ق ھ، بعد مسیح سالوں کی قبل ہجرت قمری تقویم میں تحویل کا کلیہ یہ ہے (رواں عیسوی سال تقسیم ۰۲۰۷۴ء۹۷- ۶۵۵۷،۶۴۲ء) =

مثلاً ۳۵۰ عیسوی کو قبل ہجرت قمری تقویم میں یوں لایا جائے گا (۳۵۰ تقسیم ۹۷۰۲۰۴ء- ۶۵۷ء۶۴۲) = ۲۸۱ء۹ = ۲۸۱ ق ھ، عیسوی سالوں (جیولین تقویم) کو ہجری قمری تقویم میں بدلنے کا کلیہ یہ ہے (رواں عیسوی سال تقسیم ۹۷۰۲۰۴ء- ۶۵۲۶ء۶۴۰) مثلاً ۶۳۳ عیسوی جیولین کو قمری ہجری تقویم میں یوں لایا جائے گا (۶۳۳ تقسیم ۹۷۰۲۰۴ء- ۶۵۲۶ء۶۴۰) = ۸۷ء۱۱ = ۱۱-۱۲ ہجری، دیگر تحویلی قواعد کے ساتھ مذکورہ قواعد تحویل بھی گذشتہ اقساط میں حسب موقع وضرورت تفصیل سے بیان کئے جاچکے ہیں اس لئے یہاں بار بار حسابی تخریج کو بروئے کار لانے کی ضرورت نہیں۔ تقابلی تقویمی جدول کی صحت کی پڑتال مذکورہ قواعد کی روشنی میں ناظرین بخوبی کر سکتے ہیں۔

۲۰۰۰ قبل مسیح سے پہلے کے ادوار کو زمانہ قبل از تاریخ (Pre. historic) قرار دیا جاتا ہے۔ بعد کے قبل مسیح ادوار کی توقیت بھی محض تقریبی اور تخمینی ہے کیونکہ متعلقہ سالوں کی تعیین کے لئے ماہرین مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں جن سے یکساں نتائج کا برآمد ہونا ضروری نہیں۔ مثلاً عدنانی عربوں کے جدّ اوّل عدنان کا زمانہ اسرائیلی پیغمبر حضرت یرمیاہ کے دور کا بتایا جاتا ہے قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے رحمۃ للعالمین میں اس کا سال ۵۸۸ قبل مسیح بیان کیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سال ولادت ۵۶۹ عیسوی ہے اس لئے ولادت مبارکہ سے عدنان تک کے زمانے کی مدت ۱۱۵۷ سال بنی۔ عدنان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں اکیسویں پشت میں ہیں اور نسب نامے کا یہ حصہ متفق علیہ ہے، لہٰذا فی پشت اوسط مدت ۵۵ سال بنی۔ لیکن بعض حضرات ہر جگہ پر پشت کے لئے مختلف اوسط مدت مثلاً ۲۵ یا ۳۰ سال فی پشت لیتے ہیں۔ الغرض ہم ماضی میں جس قدر دور جائیں گے تو سنین وغیرہ کی تعیین اتنی ہی مشتبہ ہوتی چلی جائے گی۔ بعد مسیح ادوار کی توقیت نسبۃً زیادہ معتبر ہے۔ ان حقائق کا اعتراف گڈ نیوز بائبل کے آخر میں ملحق اوٹ لائن چارٹ آف بائبل ہسٹری میں بھی کیا گیا ہے۔

نمبر شمار	عنوانات	عیسوی تقویم	ہجری تقویم
۱	حضرت ابراہیمؑ کا دور	۲۰۰۰ ق م	۲۷۰۳ ق ھ
۲	حضرت اسماعیلؑ کا دور	۱۹۰۰ ق م	۲۵۹۹ ق ھ
۳	تاسیس مکہ مکرمہ	ایضاً	ایضاً
۴	تاسیس یثرب (مدینہ منورہ)	۱۶۰۰ ق م	۲۲۹۰ ق ھ
۵	سبا بن قحطان کا زمانہ	۲۵۰۰ ق م	۳۲۱۸ ق ھ

۶۔ آل سبا/حمیر/تبابعہ یمن کی حکومت کے ادوار

(الف) پہلا دور	۱۱۰۰۔۵۵۰ق م	۱۷۷۵۔۱۲۰۸ق ھ
ملکہ سبا (بلقیس) کا دور	۹۶۵۔۹۲۶ق م	۱۶۳۶۔۱۵۹۶ق ھ
(ب) دوسرا دور	۵۵۰۔۱۱۵ق م	۱۲۰۸۔۷۶۰ق ھ
(ج) تیسرا دور	۱۱۵ق م تا ۳۰۰ء	۷۶۰۔۳۳۳ق ھ
(د) چوتھا دور	۳۰۰۔۳۴۰ء	۳۳۳۔۲۹۲ق ھ
(ھ) پانچواں دور	۳۷۸۔۵۲۵ء	۲۵۳۔۱۰۱ق ھ

۷۔ یمن پر حبشیوں کے تسلط کے ادوار

(الف) پہلا دور	۳۴۰۔۳۷۸ء	۲۹۲۔۲۵۳ق ھ
(ب) دوسرا دور	۵۲۷۔۶۰۱ء	۹۹۔۲۳ق ھ

۸۔ یمن پر حبشیوں کے تسلط کے دوسرے دور کے حکمران

(الف) ارياط	۵۲۷۔۵۴۷ء	۹۹۔۷۸ق ھ
(ب) ابرہۃ الاشرم	۵۴۷۔۵۶۹ء	۷۸۔۵۵ق ھ
(ج) یکسوم بن ابرہہ	۵۶۹۔۵۸۹ء	۵۵۔۳۵ق ھ
(د) لسروق بن ابرہہ	۵۸۹۔۶۰۱ء	۳۵۔۲۳ق ھ
۹۔ ایرانی گورنر یمن باذان کا قبول اسلام اور یمن پر اسلامی اقتدار	اواخر ستمبر ۶۲۸ء	جمادی الاولی ۷ ہجری
۱۰۔ ابرہہ حاکم یمن کا مکہ پر ناکام حملہ	۱۵ ستمبر ۵۶۹ء	(۱۷ رجب ۵۵ق ھ قمری۔ ۱۷ محرم ۵۳ق ھ قمریہ شمسی)

۱۱۔ قوم سبا کے حالات بیان کرنے والے چند مؤرخین

(الف) اریٹوس تھینس Eratos thens	۱۹۴ق م	۸۴۱ق ھ
(ب) اگاتھر شیڈس	۱۴۵ق م	۷۹۱ق ھ
(ج) آرٹی میڈس	۱۰۰ق م	۷۴۴ق ھ
۱۲ شام کے غسانیوں کا قبول عیسائیت	۳۳۰ء	۳۰۲ق ھ

۱۳	قیصر روم اور نجاشی حبشہ کی طرف سے عیسائیت کے فروغ کی مساعی	۳۹۵ء	۲۳۵ق ھ
۱۴	یمن میں عیسائیت کا نفوذ	۵۱۳ء	۱۱۳ق ھ
۱۵	حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں غسانی حکومت کا خاتمہ	۶۳۴ء	۱۳ ہجری

۱۶۔ ملوک مناذرہ/ حیرہ بعض مشہور حکمرانوں کے ادوار

الف	عمرو بن عدی	۲۶۸۔۲۸۸ء	۳۶۶۔۳۴۵ق ھ
ب	منذر بن نعمان اعور	۴۳۱۔۴۷۳ء	۱۹۸۔۱۵۵ق ھ
ج	منذر بن ماء السما امرا القیس	۵۱۰۔۵۳۳ء	۱۱۶۔۹۳ق ھ
د	عمرو بن ہند	۵۳۳۔۵۷۸ء	۹۳۔۴۶ق ھ
ھ	نعمان بن منذر ابو قابوس	۵۸۵۔۶۱۳ء	۳۹۔۱۰ق ھ

۱۷۔ حضر موت کے ملوک کندہ

بعض مشہور حکمرانوں کے سالہائے وفات

الف	حجر بن عمرو آکل المرار	۴۹۰ء	۱۳۷ق ھ
ب	عمر بن حجر	۵۴۰ء	۸۶ق ھ
ج	حجر بن حارث	۵۵۰ء	۷۵ق ھ
د	امرا القیس بن حجر (مشہور شاعر)	۵۶۰ء	۶۵ق ھ
۱۸	عدنانی عربوں کے جدّ اول عدنان کا زمانہ	۵۸۸ قبل مسیح	۱۲۴۷ق ھ
۱۹	مکہ میں عمرو بن لحی کے ذریعے بت پرستی کو فروغ	۲۰۷ء	۴۲۹ق ھ
۲۰	قصی بن کلاب کے ذریعے مکے پر قریش کا قبضہ	۴۴۰ء	۱۸۹ق ھ
۲۱	عبد مناف بن قصی کا دور	۵۰۰ء	۱۲۷ق ھ
۲۲	حضرت عبد المطلب کی عمر ۸۲ سال	۴۹۵۔۵۷۷ء	۱۳۲۔۴۷ق ھ

۲۳ عبداللہ بن عبدالمطلب کی عمر ۱۸ سال ۵۵۱۔۵۶۹ء ۷۴۔۵۵ ق ھ

حواشی وحوالہ جات

۱۔المنجد، مادہ ''عرب''

۲۔السیرۃ النبویۃ فی ضوء القرآن والسنۃ ۱/۴۳۔۴۵ (دکتور محمد بن محمد ابوشہبۃ دارالعلوم دمشق الطبعۃ السابعۃ ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ میلادی)۔مقالہ شب ظلمت پروفیسر علی محسن صدیقی مجلہ السیرۃ عالمی شمارہ ۹ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

۳۔مقالہ شب ظلمت:ص ۷۷

۴۔تہذیب سیرۃ ابن کثیر۔مروان کجک دارطیبہ الریاض۔سعودی عرب الطبعۃ الاولی ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۸ص ۱۳

۵۔ایضاً ص ۱۴

۶۔ایضاً

۷۔ابراہیم:۳۷

۸۔آل عمران:۹۶۔۹۷

۹۔بائبل، زبور ۸۴:۔۶ (بحوالہ سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانی محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل مولوی مسافر خانہ کراچی۔

۱۰۔سیرۃ النبی ﷺ ۱/۱۴۹

۱۱۔اردو بائبل (پروٹسٹنٹ چرچ) بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور طبع ۱۹۸۹، کتاب پیدائش ۲۱۔۱۵

۱۲۔ایضاً۔زبور ۸۴۔۶

۱۳۔المائدہ:۱۳

۱۴۔الکتاب المقدس (عربی بائبل) دارالکتب المقدس فی الشرق الاوسط طبع ۱۹۸۵ المزامیر ۸۴:۶

۱۵۔کتاب پیدائش ۲۱:۱۹

۱۶۔سورہ فتح:۲۴

۱/۱۷۔البقرۃ:۱۲۶۔۱۲۹

۲/۱۷۔الحج:۷۸

۱۸۔الانعام:۹۳۔التین:۳

۱۹۔الصافات:۹۹، ۱۰۷۔

۲۰۔ایضاً:۱۱۲

۲۱۔الحجر:۵۳

۲۲۔ہود:۷۱

۲۳۔ الانبیاء: ۸۵

۱/۲۴۔ مریم: ۵۴

۲/۲۴۔ الصافات: ۱۰۲

۲۵۔ الانعام: ۸۴

۱/۲۶۔ مریم: ۴۹

۲/۲۶۔ کتاب پیدائش ۲۱: ۲۰۔۲۱

۲۷۔ ایضاً ۲۵: ۷

۲۸۔ ایضاً ۱۷: ۱۶

۲۹۔ ایضاً ۲۱: ۱۲

۳۰۔ ایضاً ۲۲: ۱۔۲

۳۱۔ ایضاً ۱۶: ۱۶، ۲۱: ۵

۳۲۔ ایضاً ۲۲۔۱۲

۳۳۔ ایضاً باب ۲۴

۳۴۔ ایضاً ۱۶: ۱۰۔۱۱

۳۵۔ ایضاً ۲۱: ۸، ۱۳

۳۶۔ ایضاً ۱۷: ۱۔۶، ۲۲

۳۷۔ ایضاً ۱۷: ۲۰۔۲۵

۳۸۔ الحج: ۴

۳۹۔ المائدہ: ۱۳

۴۰۔ کتاب پیدائش ۲۲: ۲

۴۱۔ نیا عہد نامہ بائبل، پولس کا گلتیوں کے نام خط ۴: ۲۵

۴۲۔ کتاب پیدائش ۱۷: ۱۸

۴۳۔ ایضاً ۴: ۴

۴۴۔ کتاب استثناء ۲۱: ۱۵۔۱۷

۴۵۔ کتاب گنتی ۸: ۱۷

۴۶۔ کتاب استثناء ۱۰: ۸۔۹

۴۷۔ کتاب پیدائش ۲۱: ۱۴

۴۸۔ ایضاً ۲۵: ۴۔۶

۴۹۔کتاب قضاۃ ۱۳:۵

۵۰۔کتاب گنتی ۶:۱۷۔۱۸

۵۱۔کتاب پیدائش ۲۲۔۱

۵۲۔النحل:۴۴

۵۳۔الاسراء:۶۳

۵۴۔ہود:۱۷

۵۵۔البدایۃ والنہایۃ ۱/۱۶۴ ابن کثیر الدمشقی دار الحدیث القاہرہ (مصر) الطبعۃ الاولی ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲

۵۶۔کتاب پیدائش ۱۲:۴، ۱۶:۱۶

۵۷۔الحجرات:۶

۵۸۔البدایۃ والنہایۃ ۱/۱۶۴

۵۹۔تفسیر کبیر امام رازی ۲۶/۱۵۳ دار احیاء التراث العربی بیروت۔الطبعۃ الثالثۃ۔

۶۰۔کتاب یسعیاہ ۵۴:۱

۶۱۔کتاب پیدائش ۱۶:۱۲

۶۲۔ایضاً ۱۶:۱۱، ۱۸:۱۳۔۱۴

۶۳۔ایضاً ۱۶:۱۱، ۱۷:۱۹۔۲۰

۶۴۔ایضاً ۱۷:۱۶، ۲۰

۶۵۔ایضاً ۲۶:۲۴، ۲۱:۲۰

۶۶۔ایضاً ۱۷:۶، ۲۵:۱۶

۶۷۔ایضاً ۱۸:۹۔۱۵، ۱۹:۷۔۱۳، ۲۱:۱۷۔۱۸

۶۸۔ایضاً ۳۵:۲۳۔۲۷، ۲۵:۱۲۔۱۶

۶۹۔براھین باھرہ فی حریۃ ھاجرہ مولوی غلام رسول چڑیاکوٹی (بحوالہ رحمۃ اللعالمین قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ دار الاشاعت اردو بازار۔کراچی طبع اول ذوالحجہ ۱۴۱۱ھ جلد دوم، ص ۵۰)

۷۰۔صحیح بخاری عن ابن عباس کتاب الانبیاء

۷۱۔انجیل متی ۲۱:۴۳

۷۲۔الاعراف:۱۰۷

۷۳۔البقرۃ:۴۰

۷۴۔کتاب پیدائش ۴۲:۱۰۔۱۱

۷۵۔البیہقی فی الدلائل ۲/۵۰۸

۷۶۔ کتاب پیدائش ۳۶:۳۷
۷۷۔ ایضاً ۱۹:۳۹
۷۸۔ ایضاً ۲۳:۲۵۔۲۷
۷۹۔ صحیح بخاری عن ابن عباسؓ، کتاب الانبیاء
۸۰۔ کتاب پیدائش ۱۶:۱۶، ۵:۲۱
۸۱۔ ایضاً ۱۰:۲۱
۸۲۔ ایضاً ۱۵:۲۱۔۱۸
۸۳۔ کتاب التکوین ۱۵:۲۱ (عربی بائبل)
۸۴۔ ایضاً ۱۸:۲۱

85. Good news bible united bible socitie's 5th print 1978 genesis 16:6

۸۶۔ طبقات ابن سعد ج ۳، ص ۴۱۔۴۲
۸۷/۱۔ ابراہیم: ۳۷۔۳۸
۸۷/۲۔ ارض القرآن سید سلیمان ندویؒ ۴۰/۲ (بحوالہ قصص القرآن ۲۳۳/۱۔۲۳۴) مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی
مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
۸۸۔ البقرہ: ۱۲۶
۸۹۔ تفسیر معارف القرآن/ ج ۳، ص ۲۵۹۔۲۶۰، فرید بک ڈپو۔ اردو مارکیٹ۔ دہلی۔
۹۰۔ صحیح بخاری عن ابن عباسؓ کتاب الانبیا
۹۱۔ قصص القرآن/ ج ۱، ص ۲۳۰۔۲۳۱
۹۲۔ ایضاً / ج ۱، ص ۲۳۴
۹۳۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر شاہ ولی اللہ دہلوی/ ص ۴۳
۹۴۔ کتاب پیدائش ۲۴:۱۷۔۲۵
۹۵۔ ایضاً ۲۵۔۹
۹۶۔ البقرہ: ۱۳۲
۹۷۔ البدایۃ والنہایۃ/ ج ۱، ص ۱۶۱
۹۸۔ ایضاً
۹۹۔ قصص القرآن/ ج ۱، ص ۲۳۲
۱۰۰۔ النساء: ۶
۱۰۱۔ نیا عہد نامہ، پولس کا گلتیوں کے نام خط ۴:۲۵

۱۰۲۔ کتاب یسعیاہ ۴۲، ۹:۱۲
۱۰۳۔ ایضاً ۲۱:۱۳۔۱۷
۱۰۴۔ آکسفورڈ بائبل کنکارڈنس ص ۲۶۵۔ بحوالہ بائبل سے قرآن تک ۲۸۲/۳ حاشیہ، اردو ترجمہ اظہار الحق مولانا رحمت اللہ کیرانوی مکتبہ دارالعلوم کراچی طبع سوم ۱۹۸۶ء
۱۰۵۔ کتاب پیدائش ۲۸:۹، ۲۵:۱۳، ۳۶:۳
۱۰۶۔ جمع الفوائد/ ج ۲، ص ۱۷۷، ۱۷۸، حدیث رقم ۷۰۰۴ بحوالہ صحیح بخاری و مسلم کتب صحاح وغیرہ۔ دارالکتب العلمیہ بیروت الطبعۃ الاولی ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲
۱۰۷۔ تہذیب سیرۃ ابن کثیر ص ۳۴۹
۱۰۸۔ دلائل النبوۃ للبیہقی / ج ۵، ص ۲۶۶
۱۰۹۔ ایضاً
۱۱۰۔ کتاب استثناء ۳۳:۲۔۳ (بحوالہ سیرۃ النبی ﷺ / ج ۳، ص ۸۳۵)
۱/۱۱۱۔ تہذیب سیرۃ ابن کثیر ص ۴۷۶
۲/۱۱۱۔ انجیل متی ۱۳۔۳۱۔۳۲
۱۱۲۔ سیرۃ النبی ﷺ ۸۳۵/۳، تفسیر حقانی سورہ الشعراء آیت وانه لفی زُبر الاولین.
۱۱۳۔ Deutroneny ۴۔۳۳:۲۔۴
۱۱۴۔ انجیل متی ۲۱:۴۳
۱۱۵۔ کتاب استثناء ۸۔۵
۱۱۶۔ غزل الغزلات ۵۔۱۰
۱۱۷۔ ایضاً: ۵۔۱۶

118. Gospel of Barnabas Begum Aisha Bawany waqf; karachi. Appendik vi

The Holy prophet in ancient scriptures: song of songs 5:16، رحمۃ للعالمین ۱۲۷/۱ حاشیہ

۱۱۹۔ کتاب پیدائش ۲۱:۲۰۔۲۱
۱۲۰۔ ایضاً ۲۵:۱۳۔۱۷
۱۲۱۔ تہذیب سیرۃ ابن کثیر/ ص ۴۱۸
۱۲۲۔ کتاب یسعیاہ ۶۰:۶۔۷
۱۲۳۔ کتاب پیدائش ۲۵:۱۳
۱۲۴۔ ایضا ۲۵:۲۔۳
۱۲۵۔ سیرۃ النبی ﷺ / ج ۱، ص ۱۵۳

126. P.K Hitti: His tory of Arabs Hewyor 1958 pp 103-106

۱۲۷۔ تہذیب سیرۃ ابن کثیر/ص ٦٧

۱۲۸۔ السیرۃ النبویۃ فی ضوء القرآن والسنۃ/ ج ا ص ٥٧۔ ٥٨

۱۲۹۔ صحیحین (بحوالہ مشکوۃ المصابیح/ص ٦٨)

۱۳۰۔ السیرۃ النبویۃ فی ضوء القرآن والسنۃ/ ج ا ص ٥٧۔ ٥٨

۱۳۱۔ ایضاً/ ج ا ص ٥٩

۱۳۲۔ تہذیب سیرۃ ابن کثیر/ص ۱۵

۱۳۳/۱۔ ایضاً/ص ۱۴

۱۳۳/۲۔ کتاب پیدائش ٩:١٨، ١٠:٢١۔ ٢٨

۱۳۴۔ مقالہ شب ظلمت/صفحہ ٨٠

۱۳۵/۱۔ ایضاً

۱۳۵/۲۔ تہذیب سیرۃ ابن کثیر ص ۱۵۔۲۳، ۲۸۔۳۱ سیرت سرور عالم ﷺ ص ۵۳۴/۱۔ ۵۴۰ سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ ادارہ ترجمان القرآن لاہور۔ اشاعت دوم ۱۳۹۹ ہجری/ اگست ۱۹۷۹ء قصص القرآن، متعلقہ حصص۔

۱۳٦۔ قصص القرآن/ ج ۳، ص ۲۹٦

۱۳۷۔ زبور: ۷۲: ا۔ ۲، ۱۰، ۱۵

۱۳۸۔ النمل: ۲۲۔ ۴۴

۱۳۹۔ سبا: ۱۵۔ ۱۹

۱۴۰۔ الدخان: ۳۷، ق: ۱۴

۱۴۱۔ البروج: ا۔ ۱۰

۱۴۲۔ تہذیب سیرۃ ابن کثیر/ص ۱۵

۱۴۳۔ ایضاً: ص ۱۷

۱۴۴۔ تہذیب سیرۃ ابن کثیر/ ۱۵

۱۴۵۔ سیرۃ النبی ﷺ، ۱۱۰/۱

۱۴٦۔ السیرۃ النبویۃ فی ضوء القرآن والسنۃ/ ج ا ص ۴٦، ۴۸، مقالہ شب ظلمت/ص ٦۷، ٦۹

۱۴۷۔ السیرۃ النبویۃ/ ج ا ص ٦۷۔ ٦۹ مقالہ شب ظلمت/ص ۴۸، ۴۹

۱۴۸/۱۔ مقالہ شب ظلمت/ص ۴۹، ۵۰

۱۴۸/۲۔ تہذیب سیرۃ ابن کثیرؒ/ص ۳۸، ۴۷، ٦۵۔ ۷۰، رحمۃ للعالمین/ ج ۲، ص ۲۷، ۳۴، ۴۱، ۴۲، ۴٦، ۱۰۰۔ مقالہ شب ظلمت/ص ٦۷۔ ۷۸، ۸۴۔ ۸۸ الاستیعاب اور الاصابۃ کے متعلقہ حصص۔

۱۴۹۔الانعام:۱۲۴

۱۵۰۔صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی

۱۵۱۔البخاری فی المناقب (۳۵۵۸)

۱۵۲۔مشکوۃ المصابیح ص ۵۱۱

۱۵۳۔مسلم فی الایمان عن ابی ھریرۃؓ

۱/۱۵۴۔الشوریٰ:۲۳

۲/۱۵۴۔البخاری فی کتاب المناقب (۳۴۱۷)

۱۵۵۔الحجرات:۱۳

۱۵۶۔تہذیب سیرۃ ابن کثیرؒ/ص ۳۸۔۳۹

۱۵۷۔رحمۃ للعالمین/ ج ۲،ص ۶۰، ۶۱

۱۵۸۔اوٹ لائن چارٹ آف بائبل ہسٹری ملحقہ گڈ نیوز بائبل

۱۵۹۔کتاب پیدائش باب ۱۵ اور ۱۱

۱/۱۶۰۔ایضاً:۹:۲۹

۲/۱۶۰۔رحمۃ للعالمین/ ج ۲،ص ۲۷

۱۶۱۔سیرۃ النبی/ ج ۱،ص ۱۶۲۔رحمۃ للعالمین/ ج ۲، ۳۱ عربی حاشیہ

۱۶۲۔ایسی بعض روایات ان کتب میں موجود ہیں۔دلائل بیہقیؒ / ج ۱، ۱۷۴، ۱۷۵۔الموضوعات ابن جوزیؒ/ ج ۱، ۲۸۱، ۲۸۲۔تاریخ دمشق (السیرۃ)/ ج ۱، ۲۰۲، ۲۰۳۔معجم کبیر طبرانی/ ج ۸،ص ۱۶۵، ۱۶۶۔بحوالہ السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ دکتور اکرم ضیاء العمری مکتبۃ العبکان۔الریاض (سعودی عرب) الطبعۃ السادسۃ ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵

۱۶۳۔مسند احمدؒ/ ج ۵،ص ۲۱۱۔۲۱۲ ابن ماجہ فی الحدود (۲۶۱۲)

۱۶۴۔مسلم فی الایمان (۲۱۴)

۱۶۵۔بخاری ،ابوداؤد ،نسائی بحوالہ جمع الفوائد/ ج ۲،ص ۳۲، رقم ۶۲۹۴۔۶۲۹۵

۱۶۶۔السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ / ج ۱،ص ۹۲ گو سعید بن مسیب اور زھری کی روایت کے جمع ہو جانے سے تاریخی جزیے کے طور پر قابل قبول ہے۔

۱۶۷۔مسلم فی فضائل الصحابۃ حدیث اسلام ابی ذر (۲۴۷۳) احمد عن جابر/ ج ۳،ص ۳۵۷، ابن ماجہ فی المناسک/ ۳۰۶۲

۱۶۸۔الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ ہجری و بہامشہ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ابن عبد البر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ ہجری مطبوعہ دار صادر بیروت الطبعۃ الاولی ۱۳۲۸ ہجری/ ج ۲،ص ۳۰۸

۱۶۹۔عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۵

۱۷۰۔ تہذیب سیرۃ ابن کثیر/ ص ۴۷

۱۷۱۔ تاریخ ابن جریر طبریؒ/ ج ۲، ص ۱۴۴

۱۷۲۔ کتاب المعارف ابن قتیبہ/ ص ۸۸

۱۷۳/۱۔ الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ/ ج ۲، ص ۴۹۴

۱۷۳/۲۔ تہذیب سیرۃ ابن کثیرؒ/ ص ۴۳۲

۱۷۴۔ بخاری باب مناقب جعفرؓ

۱۷۵۔ بخاری، مسلم، ترمذی (بحوالہ جمع الفوائد/ ج ۲، ص ۴۲۸، رقم ۸۸۴۶)

۱۷۶۔ ایسی روایات طبقات ابن سعد/ ج ۱، ۸۸، ۸۹ میں موجود ہیں (بحوالہ السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ للعمری/ ج ۱، ص ۹۳)

۱۷۷۔ السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ/ ج ۱، ص ۹۴

۱۷۸۔ یہ روایات طبرانی کی معجم کبیر/ ج ۳، ص ۱۴۹۔ حاکم کی مستدرک/ ج ۲، ص ۶۰۱۔ ابونعیم کی دلائل النبوۃ/ ج ۱، ص ۱۶۱ میں عبدالعزیز بن مروان کے طریق سے منقول ہیں۔ طبقات ابن سعد/ ج ۱، ص ۸۶ میں ہشام کلبی اور ج ۱، ص ۹۴، ۹۵ میں کلبی اور واقدی کے طریق سے موجود ہیں اور یہ سب متروک راوی ہیں۔ ابن عساکر کی السیرۃ/ ج ۱، ص ۳۳۸، ۳۳۹ میں روایت محمد بن عبدالعزیز بن عمر زھری کے طریق سے ہے اور وہ بحوالہ لسان المیزان/ ج ۵، ص ۲۵۹، ۲۶۰ منکر الحدیث ہے (بحوالہ السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ للعمری/ ج ۱، ص ۹۴)۔ عبدالعزیز بن مروان مذکور بھی متروک ہے (تقریب التہذیب/ ا ج، ص ۶۰۷ قدیمی کتب خانہ آرام باغ۔ کراچی)۔ ایسی بعض روایات میں کہیں تو حضرت عبداللہ کو اس عورت سے ملاقات کے وقت میلے کچیلے کپڑوں میں اور کہیں صاف ستھری حالت میں دکھایا گیا ہے ایسی روایات سیرۃ ابن اسحاق میں مرسلاً ص ۴۴ پر ہیں اور اسی ابن اسحاق کے طریق سے دلائل بیہقی/ ج ۱، ص ۶۰۵، ۶۰۶ میں موجود ہیں۔ طبقات ابن سعد/ ج ۱، ص ۹۵ میں واقدی اور ہشام کلبی کے ذریعے منقول ہیں اور یہ دونوں متروک ہیں۔ اور طبقات ابن سعد/ ج ۱، ص ۹۷ میں ابویزید مدنی کے واسطے سے روایت سنداً درست ہے مگر مُرسل ہے۔ تاریخ طبری/ ج ۲، ص ۲۴۴، ۲۴۶ میں ضعیف سند کے ساتھ موجود ہیں جن میں ابن جریج کی تدلیس ہے۔ محمد بن عمارۃ قرشی کا حال معلوم نہیں ہوسکا۔ اور مسلم زنجی صدوق ہے جسے وہم بہت ہوتا ہے۔
ابونعیم کی دلائل النبوۃ/ ج ۱، ص ۱۰۷۔۱۰۸ کی روایت میں مسلمہ بن علقمہ، داؤد بن ھند سے روایت کرتا ہے اور ایسی روایت ضعیف سمجھی جاتی ہے۔ نیز عبدالعزیز بن قانع بھی یہاں موجود ہے جسے وہم بہت ہوتا ہے اور خطا پر مصر ہے۔ نیز اسی کتاب میں ج ۱، ص ۱۶۲، ۱۶۴ کی روایت دو طریقوں سے مروی ہے جن کا دارومدار محمد بن عبدالعزیز عن ابیہ پر ہے۔ محمد بن عبدالعزیز منکر الحدیث اور اس کا باپ مجہول ہے (بحوالہ السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ للعمری/ ج ۱، ص ۹۵)
یہاں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اس خاتون کا حضرت عبداللہ سے ایسا کوئی مکالمہ دوسروں کی موجودگی میں ہوا ہوتو قرین فہم نہیں اگر خلوت میں ہوا ہوتو اس کی تفصیلات راویوں تک کیسے پہنچ گئیں؟۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا نکاح

مشہور روایات کے مطابق ۲۵ سال کی عمر میں ہوا تھا اگر بلوغت کی عمر ۱۶ سال فرض کی جائے تو ۹ سال تک اس طرح کی خواتین خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی سے نور نبوت کے ادراک سے کیسے قاصر رہیں؟ ۔ جہاں تک کسی یہودی عورت کا تعلق ہے تو یہودیوں کا اور وہ کسی عورت کا مکے سے کیا تعلق تھا۔ یہودیوں کو تو مکے سے عقیدت نہیں اور نہ ہی خانہ کعبہ کبھی ان کا قبلہ رہا ہے۔ نیز اس یہودی عورت کا کتب سابقہ یعنی تورات کے ساتھ انجیل سے بھی حضرت عبداللہ کی پیشانی میں مبینہ تورات پہ استدلال کرنا معنی خیز ہے یہودی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کے منکر ہیں۔

۱۷۹۔ السیرۃ النبویۃ/ ج ۱، ص ۹۵

۱/۱۸۰۔ ایضاً

۲/۱۸۰۔ مسلم/ ج ۳، ص ۱۳۹۲ (بحوالہ السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ)

۱۸۱۔ تہذیب سیرۃ ابن کثیر/ ص ۴۷

۱۸۲۔ الضحیٰ: ۶

۱۸۳۔ الاحزاب: ۵۰

۱۸۴۔ الانعام: ۷۵، ۸۰

۱۸۵۔ الصافات: ۹۵، ۹۸

۱/۱۸۶۔ البقرہ: ۲۵۸

۲/۱۸۶۔ العنکبوت: ۱۶، ۲۶

۱۸۷۔ التوبہ: ۱۱۴

۱۸۸۔ ہود: ۱۷، الصافات: ۱۱۲

۱۸۹۔ مریم: ۵۴

۱۹۰۔ الحج: ۷۸

۱/۱۹۱۔ البدایۃ والنہایۃ/ ج ۱، ص ۱۷۵

۲/۱۹۱۔ التوبہ: ۱۴

۳/۱۹۱۔ البدایۃ والنہایۃ/ ج ۱، ص ۱۹۸

۱۹۲۔ ایضاً

۱۹۳۔ تہذیب سیرۃ ابن کثیر/ ص ۱۳۔۱۴

۱۹۴۔ بخاری فی المناقب عن ابی ہریرۃ (۳۵۲۱) مسلم فی الجنة و صفة نعیمها (۲۸۵۶)